
مولانا آزاد لائبریری
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن
(عطیہ: مسز آفتاب سکسینہ)

Title - NAGHMA-E-AATISHEEN

Creator - Murattiba Sabah uddin umar.

Publisher - N.A.

Date - 1943.

Pages - 90

Subject - Urdu Shayari - Intikhab Kalaam Shora May Tasaveer.



ہندوستان کے سپوتوں کے نام

مادرِ قوم کا ہے اپنے سپوتوں سے پیام | خطۂ ہند کا اس جنگ میں اونچا ہے نام

تیغ خونریز نے جس شان سے چھوڑا ہے نیام | اپنے مسکن میں اسی شان سے پائے آرام

شاعرِ گوشہ نشیں شکرِ خدا کرتا ہے
جنگ ہو تم کو مبارک یہ دعا کرتا ہے

(آنجہانی) پنڈت برج نرائن چکبست (لکھنوی)



پیش لفظ

اسوقت جن ملکوں میں جنگ کی آگ پھیلی ہوئی ہے وہاں تہذیب کا کوئی شعبہ سماجی کا کوئی مشغلہ بلکہ حیات انسانی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو لڑائی کے خونریز دیوتا کا مقابلہ کرنے کے لئے وقف نہ ہو۔ انکے تمام فرائض اب صرف ایک فرض میں تبدیل ہوگئے ہیں اور وہ دشمن کو شکست دینا ہے۔ انکا محبوب ترین مشغلہ اب جنگ کی تیاری کے علاوہ کچھ نہیں۔

ہرچند ہندوستان ابھی تک اس آگ سے محفوظ ہے لیکن اسکی لپیٹ سب کو محسوس ہونے لگی ہے اور ہر شخص یہ سمجھنے لگا ہے کہ میدان کارزار ہمارے ملک سے دور سہی مگر چونکہ جنگ کی حیثیت مقامی نہیں بلکہ عالمگیر ہے اسلئے ہندوستان پر اس کا اثر ضرور پڑیگا۔

یہ امر طمانیت بخش ہے کہ ہندوستان کے ادیب اور شاعر بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں چنانچہ زیر نظر مجموعہ انکے جذبات اور احساسات کا آئینہ دار ہے۔ اسمیں آپ کو مختلف دبستانوں کے شاعر نظر آئینگے۔ اردو کے پرانے استاد بھی اور دور جدید کے شعرا بھی۔ کانگریسی خیالات کے بھی، مسلم لیگی خیالات کے بھی اور اشتمالی خیالات کے بھی۔ لیکن وطنی سیاست میں اختلاف مسلک کے باوجود اپنے جذبات کے لحاظ سے وہ سب اسوقت ہمزبان و ہمنوا ہیں اور انکا مقصود سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ اس جنگ نے جو خطرات پیدا کرتے ہیں انکا مقابلہ کرنے کیلئے ملک وطن کو آمادہ کیا جائے اسلئے وہ اب اپنے نغمۂ آتشیں سے ہمارے دلوں کو گرما رہے ہیں اور کشمکش

حیات کے اس سخت ترین دور میں حصہ لینے کے لئے ہم کو دعوتِ عمل دے رہے ہیں۔

اس مجموعہ میں صرف صوبہ متحدہ کے شاعروں کا غیر مطبوعہ اور تازہ ترین کلام درج کیا گیا ہے۔ نظموں کی ترتیب اُنکے تخلص کے حروف تہجی کے اعتبار سے رکھی گئی ہے۔ ان نظموں کا حق طبع قومی محاذ جنگ صوبہ متحدہ کو حاصل ہے جسکے زیرِ اہتمام یہ مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے لیکن اخبارات و رسائل وغیرہ مجموعہ کے حوالے سے یہ نظمیں چھاپ سکتے ہیں۔

افسوس ہے کہ وقت کی قلت کے باعث صوبہ کے دیگر ممتاز شعرا کی نظمیں نہیں حاصل ہو سکیں۔ بعض حضرات کو اطلاع نہ ہو سکی اور بعض اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے نظم نہ بھیج سکے۔ مگر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسکے باوجود مجموعہ کو قدیم و جدید شعرا کی نمائندگی ضرور حاصل ہے اور اس کے لئے میں ان شعرا کے کلام کا ممنون ہوں جنھوں نے اپنی نظموں سے مجھے سرفراز کیا۔ وقت کی اس کمی کی وجہ سے جملہ خواتین شعرا سے اُن کے کلام کے لئے درخواست نہ کی جا سکی پھر بھی دو خواتین نے از راہِ مہربانی اپنی نظمیں عنایت کیں۔ یہ نظمیں اس امر کا ثبوت ہیں کہ اس جنگ نے مرد تو مرد ہندوستانی خواتین کو بھی متاثر کر دیا ہے۔

بہر حال اس مجموعہ میں ہمارے شعرا نے مختلف زاویوں سے جنگ کی جس حقیقت کو پیش کیا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے سمجھیں کیونکہ ہماری حیاتِ مستقبل کی تعمیر کا مسئلہ بہت کچھ حال ہی کے سمجھنے پر منحصر ہے۔

لکھنؤ

۲۵ اگست ۴۳ء

صباح الدین عمر

عنوانات

سُرخ فوج

جناب جان نثار اختر

یہ زمیں شرر فشاں
یہ فلک دھواں دھواں
روحِ بحر و بر تپاں
قلبِ عصر خوں چکاں
توپ، ٹینک، گولیاں
گونجتی ہیں وادیاں
خاک و خوں کے درمیاں ــــــــ سُرخ فوج ہے رواں

ایک موجِ کار زار
ایک سُرخ جوئبار
ایک تند آبشار
ایک ابرِ کوہسار
اک شہابِ بے قرار
اک تلاطمِ شرار
شعلہ خیز و شعلہ بار ــــــــ سُرخ فوج ہے رواں

ایک بحرِ آہنیں
ایک سیلِ آتشیں

ایک شعلۂ زمیں
ایک اژدرِ حسیں
ایک مارِ احمریں
مرگِ قہر آفریں
خشمناک و خشمگیں ـــــ سرخ فوج ہے رواں

سرخ و خوں فشاں علم
یہ دہل کا زیر و بم
تند گام، برق رم
مہرِ فتح، ہر قدم
پیکرِ سطوت و ہمم
زور و زندگی بہم
لمحہ لمحہ دم بدم ـــــ سرخ فوج ہے رواں

حریت کی پاسباں
زندگی کی رازداں
جنگ جو، جری، جواں
ایک سرخ کہکشاں
یہ کدال یہ نشاں
ہل رہا ہے کل جہاں
جھک رہا ہے آسماں ـــــ سرخ فوج ہے رواں

جاں نثار اختر



جان نثار اختر



اختر نصیرآبادی

"فتح کا پرچم"

(جناب عبدالجبار اختر نصیر آبادی)

جنگ کے بادل افق پر گھر کے جب چھانے لگے
آگ کے شعلے فلک تک اُٹھ کے تھرانے لگے

ہو گئیں جب وسعتیں دنیا کی وقفِ کارزار
زخم سے ہونے لگا جب سینۂ گیتی فگار

کارفرما ہو رہا تھا بربریت کا وقار
عصمتِ انسانیت تھی خونچکان و شرمسار

خوف سے چہرہ فلک کا ہو گیا جس وقت فق
زلزلے میں آ گئے جس دم زمینوں کے طبق

ٹینکوں کے جبکہ ٹکرانے لگے کوہِ گراں
الاماں والحفیظ والحفیظ و الاماں

گونج اُٹھی جب شور و شر سے ہر طرف حدِ افق
ظلمت شامِ تظلم اور وہ خونین شفق

دیکھ کر چاروں طرف یہ منظرِ وحشت فزا
دل میں سوچا اپنے یہ ہندوستاں کا سورما

یہ نہ ہو میرا وطن پیارا وطن ہندوستاں
گلفشان و گل بداماں۔ گلزمین و گلستاں

ہو نہ جائے کوئی اس دارالاماں میں خلفشار
ہو نہ جائے امن کا مرکز بھی وقفِ کارزار

نوحۂ غم میں بدل جائے نہ یہ عشرت کا راگ
ہند کی عصمت شعاروں کا نہ لٹ جائے سہاگ

دشمنوں کے کان بہرے بدشگونی ہو نہ جائے
مادرِ ہندوستاں کی گود سونی ہو نہ جائے

جنگ کی بادِ خزاں سے لٹ نہ جائے یہ بہار
دامنِ گل فصلِ گل میں ہو نہ جائے تار تار

سوچ کر یہ خون کھولا پڑ گئے ابرو پہ بل
دل میں اُٹھا اک قیامت خیز طوفانِ عمل

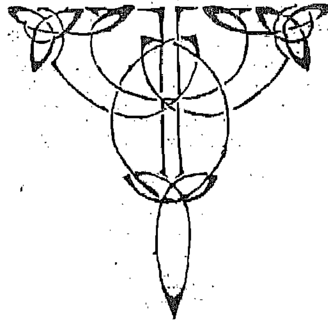
رہ گیا باقی نہ جب قابو دلِ خود دار پر
ہاتھ اُٹھا یک بیک اور جا پڑا تلوار پر

تیغ جوہر دار کھینچی پنجۂ فولاد نے
عزم دل میں بھر دیا خود فطرتِ آزاد نے

جنگجو ہندوستاں کا رزمگہ میں آ گیا
مشرق و مغرب میں اپنی جرأتوں سے چھا گیا

دل میں اک جوشِ مسرت سکے لہرانے لگا
اور اُفق پر فتح کا پرچم نظر آنے لگا

اختر نصیر آبادی



نوید کامرانی

جناب اسعد انصاری لکھنوی

ہو مبارک جلد اب فصلِ بہار آنے کو ہے
یہ خزاں کا عہدِ نامسعود اب جانے کو ہے

ہر رُخِ پژمردۂ گل پر بہارِ تازہ ہے
چہرۂ غمگیں کے عارض پر خوشی کا غازہ ہے

بادۂ عشرت سے ہے لبریز ہر جام و سبو
گونجتا ہے نغمۂ شادی جہاں میں چار سو

چل رہی ہے صحنِ عالم میں ہوائے زندگی
آرہا ہے لب پہ مطرب کے نوائے زندگی

صبح اب ہونے ہی والی ہے شبِ دیجور کی
دیکھئے نکلیں اُفق پر وہ شعاعیں نور کی

ہے شفق کے سُرخ پردے سے عیاں نورِ سحر
ہو رہا ہے آفتابِ فتح و نصرت جلوہ گر

جرمنی، جاپان اپنی موت پر رونے کو ہیں
رُوس و امریکہ خوشی میں ہم بغل ہونے کو ہیں

لا رہی ہے اک پیامِ تازہ پھر بادِ صبا
وہ پیامِ تازہ جو ہے مژدۂ راحت فزا

وہ سکونِ تام ہے ہر قلبِ مضطر کے لئے
جلوۂ رنگیں ہے جو ہر دیدۂ تر کے لئے

اک حیاتِ نو ہے جو ہر جاں بلب کیواسطے
جو نویدِ عشرت و شادی ہے سب کیواسطے

ہے قریب ختم اب افسانۂ رنج و الم
ختم ہونے کو اب آئی داستانِ درد و غم

نغمۂ شادی لبِ ہر ساز پر آنے کو ہے
ہر دلِ حسرت زدہ مانگا ہوا پانے کو ہے

از سرِ نو ہو گیا ہے ہر مسافر تازہ دم
اک نویدِ کامرانی دے رہا ہے ہر قدم

کر رہی ہے کام ہمت قافلہ سالار کی
خاک میں ملنے کو ہیں سب کوششیں اغیار کی

موت کے ڈر سے مسولینی کنارہ کر گیا
یعنی قبل از مرگ وہ بے موت گویا مر گیا

نازیوں کا مکر اور فسطائیوں کی خود سری
خود نہ پیدا کر سکی اپنے لئے کچھ بہتری

اپنے ہی تیرِ ستم کا وہ نشانہ بن گئے
اک سبق آموز عبرت کا فسانہ بن گئے

نزع میں ہے جرمنی، جاپان ہے بیمارِ غم
جان ہی لیکر ٹلیگا اُن کی یہ آزارِ غم

اُن کی آئی اب کسی حالت میں ٹل سکتی نہیں
اب کسی صورت سے اُن کی دال گل سکتی نہیں

مرگ کو ہے انتظارِ حکمِ رب اُن کے لئے
مشتعل دوزخ میں ہے نارِ غضب اُن کے لئے

وا ہیں ابوابِ جہنم اُن کے استقبال میں
خود پھنسا جاتا ہے اب صیاد اپنے جال میں

جب لکھے جائیں گے اُن کے واقعاتِ زندگی
جب نظر آئیگا نقشِ بے ثباتِ زندگی

کانپ اُٹھے گا خیالِ ظلم سے پائے قلم
سرنگوں، با چشمِ نم لکھے گا روداد ستم

جس کو پڑھ کر شرم سے دنیا کا سر جھک جائیگا
مادرِ گیتی کی آنکھوں پر اندھیرا چھائیگا

ہوگا شرمندہ جہاں نام اُن کا دہراتے ہوئے
نام لے گا ہر مورخ اُن کا شرماتے ہوئے

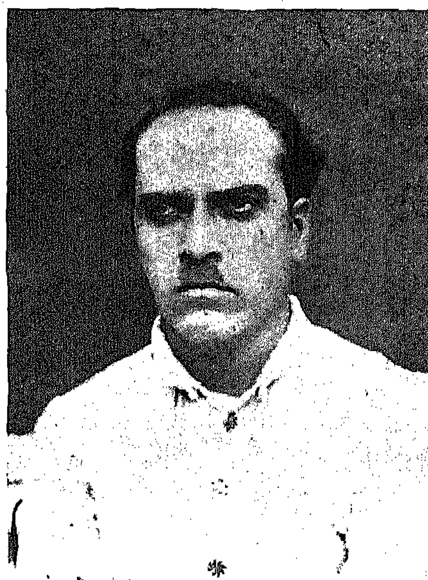
ہو رہی ہے ہر محاذِ جنگ پر اُن کو شکست
ہو چلا ہے منتشر اُن کا نظامِ بود و ہست

بھاگ سکتے ہی نہیں یہ جنگ کے میدان سے
ہاتھ دھونا ہے یہاں اب اُن کو اپنی جان سے

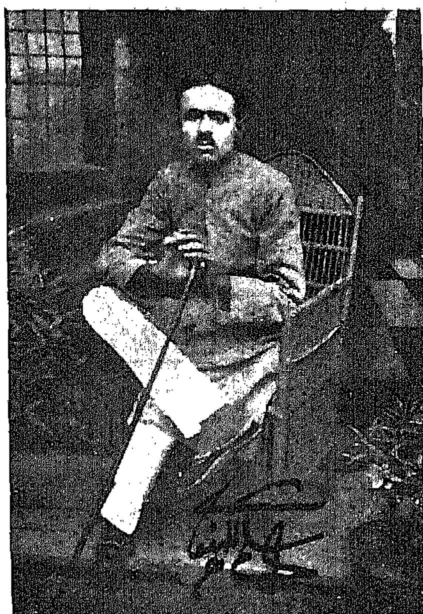
بیکسی رو دیگی اُن کو، دم یہاں توڑیں گے یہ
درسِ عبرت سرکشوں کے واسطے چھوڑیں گے یہ

کامیابی سامنے ہے ہندیو! بیدار ہو
دل میں عزمِ فتح ہو اور ہاتھ میں تلوار ہو

اسد انصاری لکھنوی



اسد انصاري لكهنوي



اسام لكهنوي

وطن کا سپاہی

جناب اسلم لکھنوی

وطن کا میں وقار ہوں،
وطن کی میں بہار ہوں،
وطن کا جاں نثار ہوں،
اُٹھا ہوں جوش میں بھرا ——— کروں گا حشر میں بپا
سپاہی میرا نام ہے
وطن پہ مرنا کام ہے
فضائے خوشگوار ہوں،
ترانۂ ہزار ہوں،
غریب کی پکار ہوں،
لئے ہوں تیغِ بے نیام ——— عدو سے لوں گا انتقام
سپاہی میرا نام ہے
وطن پہ مرنا کام ہے
میں سر سے باندھ کر کفن
دکھانے اپنا بانکپن
پئے حفاظتِ وطن
کٹانے سر چلا ہوں میں ——— نہ پوچھ مجھ سے کیا ہوں میں
سپاہی میرا نام ہے
وطن پہ مرنا کام ہے

فدائے قوم و ملک ہوں

صدائے قوم و ملک ہوں

ضیائے قوم و ملک ہوں

میں تیغِ آبدار ہوں ——— وطن کا تاجدار ہوں

سپاہی میرا نام ہے

وطن پہ مرنا کام ہے

جوان میرے حوصلے

جوان میرے ولولے

جہاں میں میرے تذکرے

چھڑے ہوئے ہیں کو بہ کو ——— میں ہوں وطن کی آبرو

سپاہی میرا نام ہے

وطن پہ مرنا کام ہے

وطن کا آسرا ہوں میں

رقیب کی قضا ہوں میں

پیامِ صد بلا ہوں میں

میں نارِ شعلہ بار ہوں ——— عتابِ کردگار ہوں

سپاہی میرا نام ہے

وطن پہ مرنا کام ہے

اسلم لکھنوی

سپاہی کی دُلھن

جناب آسی اُلدنی

رات گذری رات کی تاریکیاں رخصت ہوئیں ۔۔۔ آسماں پر ہر طرف پھیلا سفیدا صبح کا
جو شجر سوتے تھے وہ انگڑائیاں لینے لگے ۔۔۔ گوشے گوشے میں چمن کے چل پڑی ٹھنڈی ہوا
مسجدوں سے اُٹھی پھر بانگِ مؤذن دفعتاً ۔۔۔ مندروں سے آئی ناقوسِ برہمن کی صدا
دیویاں گاتی ہوئی اشنان کو آنے لگیں ۔۔۔ اور زاہد نے پڑھا اُٹھ کر فریضہ صبح کا
طائرانِ خوشنوا نے کر دئے نغمے شروع ۔۔۔ شب کو جو سونا تھا پھر چلنے لگا وہ راستا
کِھل کھلا اُٹھے کنول کے پھول رودِ آب میں ۔۔۔ شاخ پر سرمست غنچوں نے اُڑایا قہقہا
بادہ نوشوں نے سرِ بستر جو لیں انگڑائیاں ۔۔۔ دیکھ کر پیرِ مغاں نے پھر نیا ساغر بھرا
لیس ہو ہو کر چلی پلٹن سوئے میدانِ جنگ ۔۔۔ صورِ محشر کی طرح اک دم بگل بجنے لگا
اُٹھی گھبرا کر یکایک اِک عروسِ نازنیں ۔۔۔ اور بیتابانہ یوں بیدار شوہر کو کیا
جس طرح آکر صبا پودے کو دیتی ہے لچک ۔۔۔ جس طرح اِک پھول کو جھولا جُھلاتی ہے ہوا
سُرمگیں آنکھوں سے ڈالی پہلے شوہر پر نگاہ ۔۔۔ اور اِسی کے ساتھ شرماتے لجاتے یہ کہا
اے تمناؤں کے حاصل! اے محبت کی مراد ۔۔۔ میرا دل تجھ پر نثار اور میری جاں تجھ پر فدا
اُٹھ مِری گستاخیوں پر دے محبت کا جواب ۔۔۔ اُٹھ قبولیت کا دے میری مرادوں کو صلا
تیغ خوں آشام دشمن چاہیئے زیبِ کمر ۔۔۔ فوج کے جانے کا دن ہے کوچ کا وقت آگیا

جا خدا کا قہر بن کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑ جا خدا کو سونپ دے گھر بار جا اللہ جا
جا کہ تھی بندوق تیری اِس گھڑی کی منتظر سب سے پہلے فوج پر دشمن کی تو گولی چلا
میں پرستارِ وفا ہوں میں ہوں تیری خادمہ آج تک بن کر رہی ہوں پیکر شرم و حیا
میں نے تیرے حکم سے اکدن بھی سرتابی نہ کی میں نے اپنی زندگی کی تیرے قدموں پر فدا
میں نے کچھ مانگا نہیں اپنی وفاؤں کا بدل میں نے کچھ چاہا نہیں اپنی محبت کا صلا
مجھ میں تیرے ہجر کی طاقت نہیں ہے زینہار مجھ میں یہ ہمت نہیں جو رہ سکوں تجھسے جدا
میں سمجھتی ہوں کہ ویراں ہے یہ گھر تیرے بغیر میں سمجھتی ہوں کہ تنہا تو ہے میرا دوسرا
ملک پر کرتی ہوں لیکن میں محبت کو نثار اب بس اتنا چاہتی ہوں میں کہ جا اور جلد جا

یا مٹا دے صفحہ ہستی سے دشمن کا وجود
یا وہیں پر جان دیدے اور کبھی واپس نہ آ

آسی الدنی

ہٹلر نے جہاں میں آنکھ جب سے کھولی بولی نہ کسی کے ساتھ میٹھی بولی
داغوں کے جلائے گر زمانہ میں چراغ تو خون سے انسانوں کے کھیلی ہولی

آسی



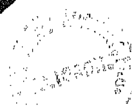
آسى ألدني





افسر میرٹھی

(نظم صفحہ ۱۳ پر)



رفتارِ جنگ

(پروفیسر سید اعجاز حسین - الٰہ آباد یونیورسٹی)

اہرمن مغرب سے اُٹھا آگ برساتا ہوا
عظمتِ یزداں پہ ہنستا، آنکھ دکھلاتا ہوا

ظُلم کے بادل لئے ساری فضا میں چھا گیا
لوگ سمجھے نوح کا طوفاں یکایک آگیا

سر میں سودا یہ کہ دنیا بھی، جہنم کیوں نہ ہو
موردِ جور و جفا اولادِ آدم کیوں نہ ہو

یہ تمنّا تھی کہ میرے پاؤں پر ہر سر جھُکے
اس جہانِ بیکراں میں میرا ہی سکّہ چلے

اپنے ہمسایہ ممالک کو کُچلتا، روندتا
نشۂ فرعونیت میں جھومتا، آگے بڑھا

دفعتاً ٹکرا گیا اک آہنی دیوار سے
روس، یعنی آفرینش کے نئے شہ کار سے

گوشہ گوشہ جس کا ہے تعلیم گاہِ انقلاب
جس جگہ انگڑائیاں لیتا ہے دنیا کا شباب

جس نے سمجھا آدمی کو آدمی اس دَور میں
زندگی انسانیت نے پائی جس کے طور میں

اب عروسِ زندگی ہے جلوہ آرا جس جگہ
حُسنِ مستقبل کا ممکن ہے نظارہ جس جگہ

شاعرِ مشرق نے فرمایا تھا جس کو برملا
"آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا"

اہرمن بھی جس کی تابانی سے خیرہ ہو گیا
رعشہ براندام ہے، جوشِ جنوں اب کھو گیا

لقمۂ تر جس کو سمجھا تھا، وہ تھا سنگِ گراں
ریت کا دھوکا تھا جس پر تھا وہ بحرِ بے کراں

جس کو سمجھا خاک کا تودہ وہ نکلا آسماں
جانتا تھا صید جس کو، تھا وہ مرگِ ناگہاں

زُعمِ باطل کا نشہ کمبخت ایسا چھا گیا
فوج ٹڈّی دل لئے چنگیزِ ثانی آگیا

جس طرح برسات میں دریا بڑھے وہ بھی بڑھا
بے گناہوں کے لہو سے بھر گیا ہر اک گھڑا

پھر تو بپھرا چوٹ کھا کر شیر غصّہ میں بھرا
قوّتِ حُبِّ وطن سے سر بسر آراستا

اک نظام نو کی قوت اور دنیا کا خیال
بن گئے حرب نئی طاقت ملی اک لازوال

جوش کا سیلاب اُمڈا ہر در و دیوار سے
بچہ بچہ روس کا لڑنے لگا خونخوار سے

گھر سے نکلے سرفروشی کے لئے سب مرد و زن
ہاتھ میں تیغِ ظفر اور دوش پر رکھے کفن

آدمی تو آدمی، آیا مشینوں کو بھی جوش
گاڑیاں فولاد کی جیسے ہو طوفانِ خروش

نعرۂ مردانہ ہر طیارہ کی آواز تھی
اور صدا بندوق کی گویا پرِ پرواز تھی

لاریاں بھری ہوئیں دشمن کی جانب یوں بڑھیں
ندیاں برسات کی گویا دیہاتوں پر چڑھیں

روسیوں کے پائے استقلال تھے گویا پہاڑ
جرأت مردانہ ان کی تھی حریفوں کا بگاڑ

بن گئیں توپوں کی آوازیں پیامِ زندگی
اور مقتل کی زمین گویا مقامِ زندگی

وہ دلیری وہ کمال صبر اہلِ روس کا
موسم گرما ہو چاہے ہو مہینہ پوس کا

ہر زمانے میں ملی داد شجاعت جنگ کو
رُوس ہے اب اسمِ اعظم عالمِ نیرنگ کو

جذبۂ حُبِ وطن کو مل گئی دادِ وفا
روح آزادی تھی آوارہ، یہ مرکز مل گیا

اس نے دنیا کو بتایا کس طرح بچتا ہے گھر
پہلے خوں پانی کرو تب معرکہ ہوتا ہے سر

کشتیٔ ہمت کہاں بحرِ مظالم سے رُکی
پار بیڑا ہو گیا، طوفان تھا گویا دل لگی

دین و ایماں جس کا ہو آزادی و حُبِ وطن
جیل خانے اور مقتل اس کے حق میں ہیں چمن

جذبۂ شوقِ شہادت اور تمنائے ظفر
دیتے ہیں اقوام کو اکثر حیاتِ تازہ تر

رستم و سہراب کرتے ہیں جوان و پیر کو
اک حیات جاوداں دیتے ہیں سود اور بیر کو

اعجاز

بانگ عافیت

پروفیسر حامد اللہ افسر میرٹھی

امن کے مشرق سے پھر ظاہر سحر ہونے کو ہے
آفتاب عافیت پھر جلوہ گر ہونے کو ہے

صحن عالم میں بہ صد شان و بہ صد جاہ و جلال
پھر نمایاں رایت فتح و ظفر ہونے کو ہے

قصرِ ظلم و جور ہے مسمار ہونے کے قریب
امن کا گہوارہ ہر دیوار و در ہونے کو ہے

عہدِ گُل آنے کو ہے پھولوں کی بارش کیلئے
ختم دورِ برق و بارود و شرر ہونے کو ہے

خاک میں ملنے کو ہے ہٹلر سے سرکش کا غرور
ختم ساری نازیت کی کرّ و فر ہونے کو ہے

اپنے پنجوں میں دبائے ہے اسے شاہینِ روس
مرغکِ المانیہ بے بال و پر ہونے کو ہے

مٹ چکے فاسسٹ نازی ہونیوالے ہیں تباہ
پاک ظلم و جور سے ہر بحر و بر ہونے کو ہے
اب کھلے گا ساتھیوں کا پرچم باد مراد
نازیت کا قصر اب زیر و زبر ہونے کو ہے
زیست کی لذت سے ہوگی آشنا نوع بشر
یعنی ہر اک تلخ، اب شہد و شکر ہونے کو ہے
جلوہ گر ہونے کو ہے صبح بہار آشتی

ظلم سے آزاد کل نوع بشر ہونے کو ہے

افسر میرٹھی



یورپ کے ساتھ ایشیا کا رُخ ہے جس سمت بھی ہے جور و جفا کا رُخ ہے
دُنیائے تمدن کو کیا خون سے تر انساں کے لباس میں قضا کا رُخ ہے

دِل شاہجہانپوری



مژدۂ امن

جناب اقبر موہانی

ظلم و ستم کا جس دم ہوگا جہاں میں ماتم
مظلومیوں کی پیہم پائے گا داد عالم

"آتا ہے وہ زمانہ"

کاغذ کی ناؤ دائم رہتی نہیں ہے قائم
ظالم کے سب عزائم ہو جائیں گے جرائم

"آتا ہے وہ زمانہ"

جب انتقام قدرت قہرِ خدا کی صورت
ڈھائے گا در حقیقت ظالم کے سر قیامت

"آتا ہے وہ زمانہ"

بیٹھے بٹھائے جس نے سوتے جگائے فتنے
طاقت کی اُسکے دعوے ہوں گے دروغ سارے

"آتا ہے وہ زمانہ"

ظالم کی حکمرانی بہتا ہوا ہے پانی

کب تک یہ لن ترانی   آخر ہے منہ کی کھانی
"آتا ہے وہ زمانہ"

ظلم و ستم کے بانی   ظلم و ستم ہیں فانی
یہ تیری کامرانی   ہو جائے گی کہانی
"آتا ہے وہ زمانہ"

پیشِ نظر بہت سے   ہیں ظالموں کے قصے
جب مثل ان کے تیرے   ہوں گے فنا ارادے
"آتا ہے وہ زمانہ"

ظالم کا کارخانہ   ہے موت کا بہانہ
اس وقت کا ترانہ   بن جائے گا فسانہ
"آتا ہے وہ زمانہ"

امن و اماں مٹا کر   رسوا ہوئے جو افقر
ان کو بحالِ ابتر   دیکھے گی خلق یکسر
"آتا ہے وہ زمانہ"

افقر موہانی

آزادی کا دیوتا

جناب امین سلونوی

کل جو دو شخصوں میں کچھ ذکر آگیا جاپان کا — ایک یہ بولا کہ وہ ظالم ہے غارتگر بڑا

اس نے برہما میں دکھائے ہیں مظالم اسقدر — کہنے والے آج کہتے ہیں جنھیں حشر جفا

چونکہ وحشی ہے انہیں ہے مطلق اسکے دل میں رحم — اور نہ اس کو رحم کرنے کا ہے کوئی حوصلا

ایسے ایسے گرم فقرے جو کئے اس نے شروع — سُن کے ان فقروں کو فوراً ہنس دیا وہ دوسرا

کیونکہ سر پر اس کے آزادی کا اک جن تھا سوار — تھا وہ حامی دل سے ہر ہنگامہ موجود کا

وہ ہنسی اس کی تھی کہئے جس ہنسی کو زہر خند — اس میں خجلت بھی تھی کینہ بھی تھا اور غصہ بھی تھا

بولا ظالم آپ نے کیونکر کہا جاپان کو — ظلم تو کیا شے ہے آزادی کا ہے وہ دیوتا

جو کئے ہیں اس نے مفتوحہ ممالک سے سلوک — کر نہیں سکتا زباں سے کوئی اس کا شکریا

مملکت میں اس کی امن و دولت و آرام ہے — خود بُرا ہے اصل میں اس کو جو کہتا ہے بُرا

پُل جو باندھے اس نے یہ جاپان کی تعریف کے — سننے والے کو یہ سُن کر سخت غصہ آگیا

اور کہا صاحب گریباں میں ذرا منہ ڈالئے — ہے وہ سب پیش نظر گذرا ہے جو جو ماجرا

خیر سے مجھکو پڑھے لکھے نظر آتے ہیں آپ — بک رہے ہیں پھر یہ کیا ہذیان و مالیخولیا

آج جاوا اور ملایا اس کے ہیں زیرنگیں
اور فلپین اس کے قبضے میں ہے از سرتا بہ پا

کیوں نہیں کرتا انھیں آزاد آخر کیا سبب
اس کی انسانی حمیت کو وہاں کیا ہو گیا

فوج نے اس کی کیا برباد پورا نانکنگ
لاکھوں کا کاٹا گلا لاکھوں کو بے عزت کیا

سیکڑوں مندر ہوئے برباد اس کے ہاتھ سے
مسجدوں کو جا بجا ویران اس نے کر دیا

اس پر آزادی کی یہ گپ کس قدر ہے دلنشیں
پھر ذرا فرمایئے گا مرحبا صد مرحبا

امین سلونوی

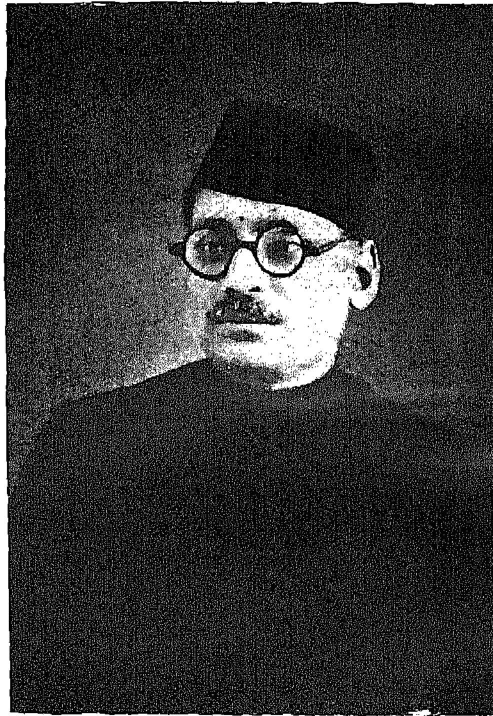


دشمن جو اِدھر اُدھر نظر آتا ہے
برطانیہ کے خوف سے تھرّاتا ہے

سنتے ہیں کہ ہر وادیٔ افریقہ میں
اک شیر ڈکارتا چلا جاتا ہے

دل شاہجہانپوری





امين سلوتوي



بدر غازیپوری

سپاہ ہند

جناب بدر غازیپوری

اٹھا ہے ایک ابر سا غبار سا بلند ہے
کوئی سوار ٹینک پر کوئی سر سمند ہے
کوئی جری کوئی قوی تو کوئی حق پسند ہے
وہ دبدبہ وہ جوش ہے کہ دم عدو کا بند ہے
یہ فوجِ فتحمند ہے، یہ فوج فتحمند ہے

مجال جرمنی کی کیا کہ وہ مقابلہ کرے
کہ اسکے سامنے ہے موت پھر بھلا وہ کیا کرے
یہ ہند کا جوان ہے جو قصد فتح کا کرے
نگہ کرے تو غیظ سے یہ غیر کو فنا کرے
یہ فوجِ فتحمند ہے، یہ فوج فتحمند ہے

یہ ملک کی رفیق ہے، وطن کی جاں نثار ہے
اسی سے سب ہے آرزو اسی سے سب بہار ہے

اسی سے اعتبار ہے اسی سے افتخار ہے
اسی سے تیغ خونفشاں جہاں میں شعلہ بار ہے
یہ فوجِ فتحمند ہے، یہ فوج فتحمند ہے

یہ دشمنوں کی آرزو کو خون میں سلاتی ہے
یہ ملک اور قوم کی اب آبرو بچاتی ہے
یہ جوہر آج بھیم کے زمانہ میں دکھاتی ہے
یہ کرّوفرِّ غزنوی نظر کے آگے لاتی ہے
یہ فوجِ فتحمند ہے، یہ فوج فتحمند ہے

ظفر جلو میں اس کے ہے، بلند اس کا نام ہے
اسی کے زیر اقتدار لیبیا اور شام ہے
جہاں کا عزم یہ کرے وہ ملک پھر تمام ہے
مقابلہ کرے کوئی یہ آرزوئے خام ہے
یہ فوجِ فتحمند ہے، یہ فوج فتحمند ہے

بدر غازیپوری

نغمۂ بیداری

محترمہ آمنہ برجیس

ہشیار ہوا ے ارباب وطن ——— بیدار ہوا ے ارباب وطن

ظلمت کا گریباں چاک ہے پھر
دامانِ سحر نمناک ہے پھر
اب شعلۂ نفس ادراک ہے پھر

ہشیار ہوا ے ارباب وطن ——— بیدار ہوا ے ارباب وطن

وہ بزم نشاط و رقص ——— نہیں
بے نور ہوئے ماہ و پرویں
تاریک ہوئی زہرہ کی جبیں

ہشیار ہوا ے ارباب وطن ——— بیدار ہوا ے ارباب وطن

اب جام و سُبو کا ہوش کہاں
دل میں وہ مئے سر جوش کہاں
ساقی وہ کہاں مے نوش کہاں

ہشیار ہوا ے ارباب وطن ——— بیدار ہوا ے ارباب وطن

یہ ابر ہے یا آہوں کا دھواں
یہ برق ہے یا شمشیر رواں
برہم ہے فضائے کون مکاں

ہشیار ہوا ے ارباب وطن ——— بیدار ہوا ے ارباب وطن

دیکھو یہ چمن برباد نہ ہو
پامال غم بیداد نہ ہو
پھر چرخ ستم ایجاد نہ ہو
ہشیار ہو اے ارباب وطن ـــــــ بیدار ہو اے ارباب وطن

یہ جنگ کی خونیں تدبیریں
یہ جبر و ہوس کی تعزیریں
ڈوبی ہیں لہو میں شمشیریں
ہشیار ہو اے ارباب وطن ـــــــ بیدار ہو اے ارباب وطن

جاپان کی وحشی فوجوں سے
تاراج خزاں گلزار ہوئے
سوئے ہوئے فتنے بپھر جاگے
ہشیار ہو اے ارباب وطن ـــــــ بیدار ہو اے ارباب وطن

سازش ہے یہ نازی جرمن کی
تہذیب کے خونی دشمن کی
لٹتی ہیں بہاریں گلشن کی
ہشیار ہو اے ارباب وطن ـــــــ بیدار ہو اے ارباب وطن

لیکن یہ زمانہ بدلے گا
اک دن یہ فسانہ بدلے گا
خون ریز ترانہ بدلے گا
ہشیار ہو اے ارباب وطن ـــــــ بیدار ہو اے ارباب وطن

آمنہ برجیس



آمنه برجیس



ٻهزاد لکڻوي

جھلکیاں

جناب بہزاد لکھنوی

پھر نہالِ زندگانی بارور ہونے کو ہے — پھر حیات برتری زیر و زبر ہونے لگی
صبرِ قلبِ مضطرب عیدِ سحر ہونے کو ہے — جور کی پہنائیوں میں بھی سحر ہونے لگی

گوش بر آواز ہے سارا جہانِ مضطرب — داستاں لمبی تھی لیکن مختصر ہونے لگی
قربِ منزل آ ہی پہونچا کاروانِ مضطرب — اب تو ذروں کی چمک بھی راہبر ہونے لگی

آخرش ہر سمت ظاہر ہو چلا ردِّ عمل — اب نوائے بے اثر بھی با اثر ہونے لگی
کرمکِ شب تاب نے چمکا دئے دشت و جبل — صبح کے پہلے نمایاں اک سحر ہونے لگی

جو فغاں سننے کے عادی تھے فغاں کرنے لگے — اُنکی دنیا خود ہی اُن پر نوحہ گر ہونے لگی
رنگ بگڑ گیا اب، ایں و آں کرنے لگے — اب انھیں اپنے نتیجے کی خبر ہونے لگی

جسکی طالب تھی نظر وہ آشکارا ہو چلی
ایک شے جلوہ بہ جلوہ جلوہ گر ہونے لگی

چار جانب چار سو عیدِ نظارہ ہو چلی
گم حقیقت میں دو عالم کی نظر ہونے لگی

اللہ اللہ تیغِ ہندی کی وہ ضربِ کارگر
غیر کی شیرازہ بندی منتشر ہونے لگی

فتح اپنی، جیت اپنی، اپنے ہیں یہ بحر و بر
اس کی اے بہزادؔ دنیا کو خبر ہونے لگی

بہزاد لکھنوی

انتقام قدرت

دنیا کے جو ہیں خون بہانے والے
اور خون میں دنیا کے نہانے والے

دنیا کی بھی سن لیں وہ صدا اے افقرؔ
مٹنے کو ہیں دنیا کے مٹانے والے

افقر موہانی

قسمت کی پیشین گوئی

جناب بہار گو

کہہ رہا ہے بے محابا انقلاب روزگار — پشت پر فیسزم کی ہوتا ہے اب قسمت کا وار

ہٹلریت آپھنسی ہے موت کے گرداب میں — موت کا گرداب ہے اور راہ ہستی تنگ و تار

اک طرف روسی مجاہد۔ اک طرف چینی جواں — چار جانب اتحادی طاقتیں ہیں شعلہ بار

اپنے منہ سے کہہ رہی ہے صاف اٹلی کی شکست — نازیت کے واسطے طوقِ گلو ہے میری ہار

غرق بیڑا ہو گیا ڈوچے کا بحرِ روم میں — ارضِ یورپ پر ہے ہٹلر خاک بر سر دلفگار

صبح طالع ہو گئی آزادیِ اقوام کی — بن گیا فیسزم کا روما کی گلیوں میں مزار

ناروے، بلجیم، بلقان اور پولینڈ و فرانس — ہو رہا ہے ہر طرف نازی درندوں کا شکار

بڑھ رہی ہے اتحادی فوج برلن کی طرف — واقعی خطرے میں ہے اب آمریت کا وقار

ہند کے جانباز شیرو مرحبا صد مرحبا — ہیں تمہاری جراتوں سے دنگ اہل روزگار

تم نے افریقہ میں دی تھی دشمنوں کو جو شکست — بن گئی ان کے گلے میں دائمی ذلت کا ہار

کانپتا ہے زلزلوں کی زد میں اب فاشی نظام
صور محشر بننے والی ہے غلامی کی پکار

حریت کی روح سے جو زندگی محروم ہو
دوستو اس زندگی سے موت بہتر لاکھ بار

ظلم اور انصاف کی ٹکر ہے یہ خونریز جنگ
نظم عالم کا ہے اب اس کے نتائج پر مدار

لیکن آتی ہے صدا یہ کان میں تقدیر کی
ظلم کی بنیاد عالم میں نہیں ہے استوار

نازیوں کا ناز بیجا اب ابھر سکتا نہیں
روبرو حق کے کبھی باطل ٹھہر سکتا نہیں

بہار گو



تعلیم مسیحا کا اثر کچھ بھی نہیں
انجیل کے درس کی خبر کچھ بھی نہیں

"رُخ دوسرا کر ایک طمانچہ کھا کر"
سب کچھ یہ ہدایت ہے مگر کچھ بھی نہیں

دلؔ شاہجہانپوری



ہٹلر سے

جناب بیدل مراد آبادی

ہٹلر اے خونیں درندے اے مجسم سرکشی
جنگ کے میدان سے سر بر نہ ہوگا تو کبھی

تو ہے پتلا کبر و نخوت کا ستم کا جور کا
نام تازہ تجھ سے ہے چنگیز خانی دور کا

منحصر ہے ایک یورپ ہی پہ کیا اے بدنہاد
تیرے ظلم و جور سے سارا جہاں ہے پر فساد

نوع انسانی کی جان و مال کا دشمن ہے تو
امن عالم کے لٹیرے واقعی رہزن ہے تو

تو نے دنیا کو اسیر رنج و آفت کر دیا
یورپی تہذیب کو دم بھر میں غارت کر دیا

تیرا ساغر کیا ہے اک پیغام ظلم و قہر ہے
دیکھنے میں خوشنما پینے میں خالص زہر ہے

تیرا منشا ہے حکومت تیرا منشا سامراج
امن دنیا کا مخالف اور حریص تخت و تاج

خون ہے دامن پہ تیرے بیگنہ اقوام کا
وقت اب نزدیک ہے ظالم ترے انجام کا

دیکھ اٹلی کی تباہی۔ جو تھا تیرا ہمنوا
درس عبرت ہے یہ تیرے واسطے او بیحیا

کوئی دن میں تو بھی ظالم منہ کی کھائیگا ضرور
دشمن انسانیت نازی، نہ کر اتنا غرور

کر رہا ہے قتل و خوں کا کس لیے اب بندوبست
مثل اٹلی کے بہت نزدیک ہے تیری شکست

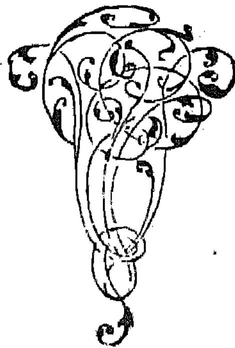
آنیوالا ہے بہت جلد اب وہ خونی انقلاب
نازیت کو تیری جو کر دیگا تاراج و خراب

بڑھ رہے ہیں تان کر سینہ ہمارے سرفروش
جس طرح ساحل سے ملے ایک سیل پُرخروش

دشمن امن و اماں او ظالم بدعت شعار
پیس ڈالے گا تجھے آخر نظام روزگار

ہٹلریت اب جہاں میں پھول پھل سکتی نہیں
ناؤ کاغذ کی کبھی پانی میں چل سکتی نہیں

بیدل مرادآبادی





مسعود اختر جمال
(نظم صفحہ ۳۰ پر)

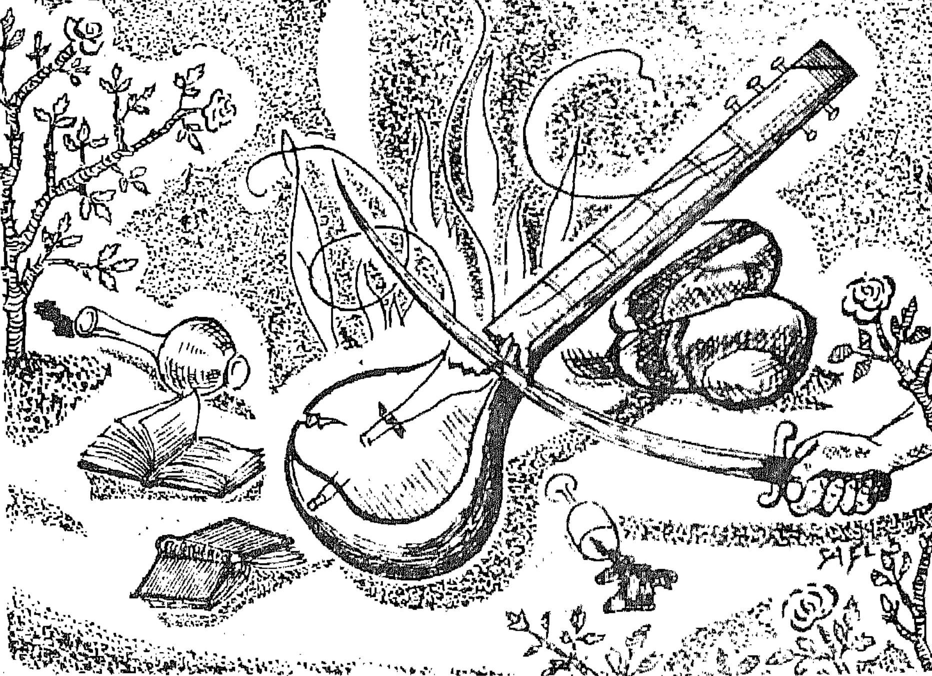


جگر مرادآبادی

شکستِ ساز

دلِ مضطرب سمجھ سکے شاید — اک شکستہ رباب کا عالم

جگر مرادآبادی



احساس کامراں

"روس کی شاندار مدافعت سے متاثر ہو کر ...."

جناب جمال

تجھے مسافرِ شب سوچ کیا ہے فکر ہے کیا
فریب راہ سے گم کیوں نشانِ منزل ہو

ہزار موت کے طوفاں اُٹھا کریں..... لیکن
غمِ حیات سے کیوں چوڑ موج ساحل..... ہو

مجھے یقین نہیں آتا کہ تیرے ہوتے ہوئے
حدیثِ ظلم و ہوس زندگی کا حاصل ہو

اگرچہ رات ہے تاریک، ہولناک فضا
پر اس کے خوف سے کیوں زرد شمع محفل ہو

بہارِ شوق سے شاداب ہے چمن تیرا
خزاں کے آنے سے مایوس کیوں ترا دل ہو

نقوش تیرے زمانہ مٹا نہیں سکتا
یہ ارتقائے تمدن بھلا نہیں سکتا

یہ بات اور ہے انسانیت کی محفل میں
بہیمیت کے خدا کا ہے اقتدار ابھی
فضائے ہوش پہ طاری ہے قومیت کا فسوں
خزاں کے روپ میں ہے موسم بہار ابھی
یہ نازیت ہو کہ فسطائیت، بہر صورت
فریب شوق دیے جائیں گے ہزار ابھی
ابھی ہے نادر و چینگیز کا اثر باقی
اُٹھیں گے اور بھی طوفانِ روزگار ابھی
جواں ہے آج بھی ذوقِ سکندر و تیمور
وہی ہے حوصلۂ شانِ کردگار ابھی
مٹائے کیسے کوئی ظلم و جور کی رسمیں
کہ ظالموں پہ ہے دُنیا کو اعتبار ابھی
وہی ہے محفلِ عقل و خرد میں بے ربطی
وہی ہے بزمِ تمنّا میں انتشار ابھی
مگر حیات کا ضامن شباب ہوگا ضرور
حریف ظلمت شب آفتاب ہوگا ضرور

جمال

جلوۂ رنگیں

سپاہی کی دُلہن کا خواب

(محترمہ کنیز فاطمہ حیا)

یہ ملنا آہ یہ ملنا کہ پیغامِ جدائی ہے
مرے جذبات کی دنیا سمٹ کر لب پہ آئی ہے

ابھی تو رات کے تاروں میں ہے تابندگی باقی
ابھی تو سیج کے پھولوں میں بھی ہے تازگی باقی

ابھی تو گیسوئے پیچاں میں ہے افشاں کا ہر ذرّہ
ابھی ان مدبھری آنکھوں کا کاجل بھی نہیں چھوٹا

حنائی ہاتھ اور یہ عطر میں ڈوبے ہوئے کپڑے
ابھی خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہیں ہر بُنِ مُو سے

ابھی تو گلکدوں پر پڑ رہی ہے ہر طرف شبنم
عروسِ شب کی کالی کالی زلفیں ہیں ابھی پُرخم

ابھی جنبش نہیں رنگین غنچوں کی قباؤں میں
ابھی خنکی نہیں آئی گلستاں کی ہواؤں میں

ہے سناٹا ابھی وادی و صحرا و شبستاں میں
نہیں سنکی نسیمِ صبح گلزار و بیاباں میں

ابھی شوریدہ سر دنیا کی شہ رگ میں نہیں کس بل
فضا پر ہے مسلط بھیگا بھیگا رات کا آنچل

ابھی تو منجمد ہیں مثلِ یخ موجیں بھی دریا کی
مجسم اک سکوت و خامشی ساحل بھی سبزہ بھی

عروسِ حجلہ کی شمعیں ابھی سے جھلملاتی ہیں
مری نظروں سے اپنی دُکھ بھری نظریں ملاتی ہیں

خوشی کی نبض ساکت اب ہر اک ساعت پہ ہوتی ہے
مسرت میرے غم سے اُف! گلے مل مل کے روتی ہے

مرے پُرآرزو سینہ میں یارب کیسی ہلچل ہے گلوئے شوق میں باہوں کے بدلے غم کی ہیکل ہے

پیامِ یاس و حسرت دے رہی ہے دل کی ہر دھڑکن بہار آنے سے پہلے کیا اُجڑ جائے گا یہ گلشن

پلک جھپکاتے ہی دنیا نئی کروٹ بدلتی ہے نیا چولا۔ نئی سج دھج نیا گھونگھٹ اُلٹتی ہے

خدایا یہ حقیقت ہے کہ ہے اک خواب کی دُنیا نظر آئی مجھے اک انجم و مہتاب کی دُنیا

تصوّر کا مرے مرکز، مرے تخئیل کی دُنیا وہی غارت گرِ تمکیں، وہی تشکیل کی دُنیا

مرے ارمانوں کا بانی، سکون و ہوش کا رہزن ملا ہے آج قسمت سے نہ چھوڑونگی کبھی دامن

کہو سچ کیا کبھی تم کو بھی میری یاد آتی ہے؟ تصوّر کے جلو میں چھپ کے تم کو بھی ستاتی ہے؟

بتاؤ کچھ اثر ہوتا بھی ہے میری دعاؤں کا مرے ان آنسوؤں کا میری خونبار التجاؤں کا؟

وہ راتیں چھوٹتا ہے جب قرار و صبر کا دامن جلا دیتی ہے برقِ ہجر میری روح کا خرمن

بس آؤ، اب تو دنیا کی نظر سے چھپ کے آجاؤ چھپا لوں گی میں اپنے دل کے پردے میں نہ گھبراؤ

مری پیاری تو ان خونبار اشکوں سے نہ کر شکوا تزلزل میرے قدموں میں نہ ہوجائے کہیں پیدا

مرے ہر خون کے قطرے میں اک تصویر ہے تیری تصوّر میں، نظر میں، سینے میں تنویر ہے تیری

سُنائی دے رہی ہے مجھکو تیرے دل کی ہر دھڑکن ہے وقف یاد میں تری روح میری جاں ہر آن

قسم ہے تیری ان الفت بھری سچّی دعاؤں کی — قسم ان آنسوؤں کی اور خونیں التجاؤں کی

تصور تیرا رحمت کا فرشتہ بن کے آتا ہے — میرے ان بازوؤں کو اک نئی ہمت دلاتا ہے

دعاؤں کا یہ لشکر جنگ کے میداں میں جاتا ہے — وطن کے دشمنوں کے خون سے ہولی مناتا ہے

مری پیاری دُلہن میں آ کے پھر تجھ کو سجاؤں گا — عروسی حجلہ کی شمعیں نئے سر سے جلاؤں گا

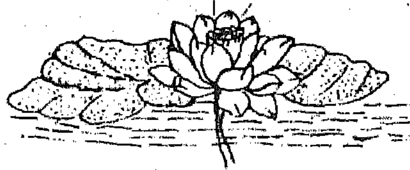
تیرے ملبوس کو الفت کی خوشبو میں بساؤں گا — تیرے دستِ حسیں کو دل کی سرخی سے رچاؤں گا

نہ ہو اندوہگیں تیری دعا سے لوٹ آؤں گا — گلوئے شوق میں پھر ہار الفت کے پہناؤں گا

خدا کی حمد کے ہم تم ترانے مل کے گائیں گے — فسانے پھر ہر اک کو فتح و نصرت کے سنائینگے

مناظر درہم و برہم ہوئے رویا کی محفل کے
نظر آنے لگے تنہائی میں اُمید کے جلوے

حیا لکھنوی





حیا لکھنوی



خمار بارہ‌بنکوی

ہندی سپاہیوں سے

جناب خمار بارہ بنکوی

آفریں صد آفریں اے ہندیانِ جنگجو
تم نے رکھ لی مادرِ ہندوستاں کی آبرو
اس ادائے ناز سے اس بانکپن سے تم لڑے
دوست کیا دشمن بھی سب جینے کی دعا دینے لگے
یوں وغا کی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے
بج گئے ڈنکے تمہارے عزم و استقلال کے
جنگ کے مشکل مراحل تم نے آساں کر دیئے
راحت و آسائشِ عالم کے ساماں کر دیئے
خشک ہونٹوں پر ہنسی آنکھوں میں لالی آگئی
امن کے پژمردہ چہرے پر بحالی آگئی
مشکلوں کو روندتے خطروں کو ٹھکراتے ہوئے
ہاں یوں ہی آگے بڑھے جاؤ غضب ڈھاتے ہوئے

نازیوں کا نازِ خونریزی مٹادو تو سہی
جرمنی میں خون کے دریا بہادو تو سہی
دہر کو ان دوزخوں سے پاک کردو تو سہی
روم و برلن کو جلا کر خاک کردو تو سہی
ہند کو لوٹو ترانے فتح کے گاتے ہوئے
پرچمِ امن و اماں کاندھے پہ لہراتے ہوئے

خمار بارہ بنکوی

جُرأت سے جدھر قدم بڑھا دیتے ہیں
دل اپنے حریف کے ہلا دیتے ہیں
ہندی جو سپاہ میں ہیں بندوق کے ساتھ
سنگینوں کے جوہر بھی دکھا دیتے ہیں

دل شاہجہانپوری

ہمارا عزم

حضرت دِلؔ شاہجہاں پوری

سنگینوں سے ہم جوہر دشمن کو دکھادینگے
ایوانِ تکبر کی بنیا دہلا دیں گے

ہم فاتحِ سسلی ہیں ہم عازم روما ہیں
برٹش کے بہادر ہیں دنیا کو جتادیں گے

برما سے ملایا تک رنگون سے جاوا تک
جاپانیوں کو جوہر تیغوں کے دکھادیں گے

ہندی دمِ آخر تک جنگِ حق و باطل ہیں
خونِ سرِ دشمن سے خنجر کو جِلادیں گے

جرأت یہ ہماری ہے ہمت یہ ہماری ہے
ہر بحر کی موجوں میں طوفاں اُٹھادیں گے

مفرور ہوا آخر گھبرا کے مسولینی
ہٹلر کو بھی ہم اکدن معزول بنادیں گے

یہ قصد ہمارا ہے کچھ اور بڑھیں آگے
ٹوجو کی اسیری بھی عالم کو دکھادیں گے

انساں کے لباسوں میں دراصل یہ وحشی ہیں
ہم صفحۂ ہستی سے نام اِنکے مٹادیں گے

ہم امن کے طالب ہیں ہم جبر کے دشمن ہیں
ہم سرحد لندن کو برلن سے ملادیں گے

روسی وہ دلاور ہیں شمشیر کے پانی سے
بھڑکے ہوئے شعلوں کو دم بھر میں بجھادیں گے

باطل کے مخالف ہیں ہر حال میں امریکن
سر دشمن عالم کا یہ تن سے اڑادیں گے

برٹش کی رعایا ہیں فطرت ہے وفاداری
اے اہل وطن تم کو ہم درس وفادیں گے

اس جنگ میں برٹش کو ہو فتح و ظفر حاصل
اے دِلؔ جو دعاگو ہیں پیہم یہ دُعادیں گے

دلؔ شاہجہانپوری

رباعیات

دنیا میں یہ جور و ظلم ڈھانا کب تک؟ تہذیب و ادب کا خوں بہانا کب تک؟
اے محو ریو! قہر الٰہی سے ڈرو اخلاق کے جوہر کو مٹانا کب تک؟

تقدیر یہ انجام جتا آئی ہے جاپانیوں کے سر پہ قضا آئی ہے
شیروں کے مقابل ہیں تعجب کا مقام پر نکلے ہیں چیونٹی کی قضا آئی ہے

مقصد ہے زمانہ میں جہانبانی کا دامن پہ ہے رنگ خونِ انسانی کا
تاریخ جدید پر رہے گا قائم مٹنے کا نہیں داغ یہ پیشانی کا

خونریزیاں اللہ کو منظور نہیں مختار کسی امر میں مجبور نہیں
جو حق پہ ہیں وہ فتح و ظفر پائیں گے منزل یہ قریب تر ہے کچھ دور نہیں

دل شاہجہانپوری



دلؔ شاہجہانپوری



آل رضا الكهنوي



نازی فسطائی

جناب رضا لکھنوی

نازیوں کا وہ تمرد کیا ہوا
خون اگلتے ہیں جو اب چوسا ہوا

کیا ہوا وہ ہمہمہ، وہ طنطنا
کیا بنانے جا رہے تھے کیا بنا

تھے اٹھے، دنیا پہ چھانے کیلئے
یا کہ خود دنیا سے جانے کیلئے؟

لاکھ کوشش کی مگر کھل ہی گیا
نازیت ہے نام استبداد کا

ختم دورِ لن ترانی ہو گیا
سر سے اونچا جب لد پانی ہو گیا

تھا عمل میں ان سے کچھ ایسا خلل
کارفرما ہو گیا ردِ عمل

اتحادی قوتیں یوں مل گئیں
محوری ٹولی کی چولیں ہل گئیں

نازیت کو جھوٹ پر اپنے تھا ناز
اس پہ یہ دعویٰ کہ ”ہے رسی دراز“

پر ہوا میں لگ گئے تھے جھوٹ کے
کیا اڑاتے تھے لٹیرے لوٹ کے

نازیوں کا تھا یہ دنیا سے خطاب
”سب ابابیلیں ہیں اور ہم ہیں عقاب“

”ہم نہیں رکنے کے، سرہنگی یہ ہے
نازیت کا نعرۂ جنگی یہ ہے“

اصلیت پر اپنی جاؤ نازیو
اس کو مارو اس کو کھاؤ نازیو

کر کے کمزوروں پہ اپنے دانت تیز
کہتے تھے ”ہم ہیں ہنر بر ستیز“

روس پر حملے کے چرچے تھے بڑے
روسیوں نے دانت کھٹے کر دیئے

اب نہیں بڑھنے کے ٹٹو اڑ گئے — آخرش لینے کے دینے پڑ گئے

اب کی چڑھ دوڑے جو ہو کر پر شکم — سانس یوں پھولی سمایا پھر نہ دم

خواب بدہضمی میں یہ دیکھا گیا — نازیوں کو جیسے ہٹلر کھا گیا

چیخ یہ نکلی اُسی کا بوس میں — "قبر ہٹلر کی بنے گی روس میں"

اور اِدھر اٹلی پہ آفت آ گئی — سر اٹھایا تھا، قیامت آ گئی

اتحادی فکر نے کروٹ جو لی — رہ گئی رومل کی سب بازی گری

"تا قیامت" نفیر دو روزہ گیا — ہاتھ سے اٹلی کے، افریقہ گیا

خواب غفلت میں اندھیرا ہو گیا — آنکھ کھلتے ہی سویرا ہو گیا

کرنے ہی والا ہے ہٹلر کو سلام — لرزہ براندام، فسطائی نظام

شعر اک، یاد آ گیا بے ساختہ — کیا اڑائیں گے خلیل اب فاختہ

"ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا؟

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟"

رضا لکھنوی

عصرِ نو اور جنگ

(جناب رئیس امروہوی)

اندھیری راتوں کی خامشی میں مجھے یہ آواز آرہی ہے
اُٹھیں گے کبتک نہ سونے والے۔ نئی سحر جگمگا رہی ہے

اُفق پہ چھایا تھا جو اندھیرا وہ رفتہ رفتہ سمٹ رہا ہے
فضا میں پھیلی تھی جو اُداسی۔ وہ دمبدم منہ چھپا رہی ہے

یہ جنگ جس نے ہلا دیا ہے۔ نظامِ ہستی کے بیخ و بُن کو
یہی تو تعمیرِ نو کی خاطر، پُرانی بنیاد ڈھا رہی ہے

جہانِ کہنہ کو رونے والے۔ جہانِ کہنہ میں کیا دھرا ہے
وہ دیکھ عصرِ جواں کی دلہن، نقاب رُخ سے اُٹھا رہی ہے

قضا کی خونریز راگنی سے۔ ڈریں نہ ہرگز زمانے والے
اسی کی لے میں تو آج فطرت۔ حیات کے گیت گا رہی ہے

جہاں ہلاکت کے دیوتا نے کڑک کے پھونکا ہے صور اپنا
وہیں تو امن و اماں کی دیوی۔ نئے ترانے سُنا رہی ہے

فضا میں بمبار اُڑ رہے ہیں نظامِ نو کا پیام لے کر
زمیں پہ توپیں گرج رہی ہیں کہ زندگی گنگنا رہی ہے

غریب رہرو سے کوئی کہدے ہر اک قدم پر یہ سوچ کیسی
تو اپنی منزل کو ڈھونڈھتا ہے وہ تیرے ہمراہ جا رہی ہے

یہ کس نے ہندوستاں کے سر پر رکھا ہے سر دیکے تاجِ عظمت
یہ کس کا خوں ہے کہ جسکی سرخی وطن کی رونق بڑھا رہی ہے

وطن کا پہرا ہوا سپاہی۔ ہوا ہے میداں کی سمت راہی
غنیم نظریں چرا رہا ہے۔ حیات آنکھیں بچھا رہی ہے

قسم ہے ہندی سپاہیوں کی انھیں کی تلوار کی بدولت
ہمارے ہندوستاں کی عظمت تمام دنیا پہ چھا رہی ہے

وطن کے شیروں کے کارنامے حبش کے ذرّے سُنا رہے ہیں
سپاہِ ہندی کی سرفروشی زمینِ تونس بتا رہی ہے

وہ شام ہو یا عراق و تسلی کہیں نہ ہمت ہماری پھسلی — مگر ابھی سے عدو کی طاقت بُری طرح ڈگمگا رہی ہے

ادھر ہیں روسی ادھر ہیں چینی ہمیں ہے دونوں سے ہمنشینی — انھیں کی سچی وطن پرستی ہماری ڈھارس بندھا رہی ہے

تمام قومیں ہیں اسکی شاہد کہ ہم ہیں جمہوریت کے شیدا — یہی وہ شے ہے جو نازیت سے ہمیں برابر لڑا رہی ہے

کبھی تو ہٹلر یہ دل میں سوچے کہاں ہے اٹلی کدھر ہے ڈوچے
جو آج اُن پر گذر رہی ہے۔ وہی بلا مجھ پہ آ رہی ہے

گذر چکے چار سال پورے۔ یہ جنگ کا پانچواں برس ہے — بتا رہی ہے یہ ظلمتِ شب۔ کہ صبح نزدیک آ رہی ہے

وہ وقت آیا کہ ہم کو قدرت۔ ہمارے سعی و عمل کا پھل دے — وہ وقت آیا کہ کامیابی۔ سنہرا پرچم اُڑا رہی ہے

ابھی ہیں کچھ امتحان باقی۔ ابھی ہے دُشمن میں جان باقی — قدم نہ پیچھے ہٹے کہ قسمت۔ ابھی ہمیں آزما رہی ہے

کوئی یہ جاپانیوں سے کہدے کہ فتح مشرق کے خواب کبتک — کہ فتح مشرق ہے خوابِ باطل ہوس یہ خوابیں دکھا رہی ہے

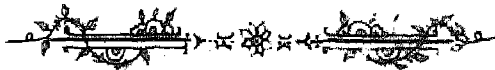
غلام قومیں کہ بارِ غم سے اُٹھا نہ سکتی تھیں اپنی گردن — انھیں کے قدموں پہ آج دنیا ادب سے سر کو جھکا رہی ہے

غلام یورپ کو یہ صدا دو تری رہائی کا وقت آیا — غریب مشرق کو یہ سنا دو کہ تیری باری بھی آ رہی ہے

یہ جنگ و دہشت یہ قتل و غارت یہ فتنہ و شر یہ خون و آتش — انھیں کے پردوں میں زندگی کی شعاعِ نو جگمگا رہی ہے

رئیس اہلِ نظر سے کہدو۔ یہ جنگ تمہیدِ عصرِ نو ہے
جسے سمجھتے ہیں ہم تباہی وہی تو بگڑی بنا رہی ہے

رئیس امروہوی



اٹلی

جناب بشونا تھ پرشاد سالک لکھنوی

فیسزم نے سب کچھ ہار دیا۔ ہٹلر کی امیدیں ٹوٹ گئیں
جرمن کی بھی شامت آئی ہے۔ اٹلی کی تو نبضیں چھوٹ گئیں

[illegible] نے مسرت کے نعرے سانچے میں الم کے ڈھال دیئے
سر ڈال چکا تھا پہلے ہی۔ ہتھیار بھی آخر ڈال دیئے

اس جنگ میں اہل اٹلی نے دو سال میں سب کچھ ہار دیا
ہٹلر نے مدد دینے کے عوض اُن مرتے ہوؤں کو مار دیا

اٹلی کی اُمنگوں کا ڈورا۔ اک آن میں چٹ سے ٹوٹ گیا
گھمسان کے کیا کیا دعوے تھے۔ میدان میں بھانڈا پھوٹ گیا

جو تیرِ ستم برساتا تھا وہ خود ہے نشانہ تیروں کا
تقدیر نے بدلہ لے ہی لیا۔ اٹلی سے حبش کے ویروں کا

یہ کس نے کہا اب دُنیا میں انصاف کا سکّہ چلتا ہے
تہذیب کی اُن ٹکسالوں میں انصاف ستم میں ڈھلتا ہے

ڈوچے کی طرح عیار بھی ہیں۔ ہٹلر کی طرح خونریز ہیں
یورپ کی مہذب دُنیا میں فرعون بھی ہیں چنگیز بھی ہیں

لیکن یہ حقیقت ہے کہ کبھی انصاف کا پنجہ مُڑ نہ سکا
خونریز ظالم کا پرچم۔ دُنیا میں ہمیشہ اُڑ نہ سکا

ڈوبے کی تباہی کا قصّہ۔ تقدیر کو پھر دہراتا ہے
پیش آیا ہے جو کچھ اٹلی کو۔ جرمن کو وہی پیش آنا ہے

فیسزم ہو یا ہٹلر شاہی۔ دونوں کا نتیجہ یکساں ہے
کل خاک میں مل جائے گا۔ یہ آج لہو میں غلطاں ہے

یورپ کی سیاسی مطلع پر فتنوں کے جو بادل چھائے ہیں
آزادی اہل عالم کا پیغام یہ لے کر آئے ہیں

توبہ ہو گنہ کا کفارہ۔ سب خون کے دھبّے دُھل جائیں
اے کاش زوال اٹلی سے جاپان کی آنکھیں کھل جائیں

ارباب عمل کے نعروں سے دُنیا کا لہو گرما ہی گیا
فیسسٹ ممالک سے کہدو انصاف کا موقع آ ہی گیا

عالم کے تنِ مردہ میں رواں۔ احساس کی برقی رَو ہو گی
اٹلی کی شکست کامل ہی تمہیدِ نظامِ نو ہو گی

سالک لکھنوی

دعوتِ عمل

جناب سراج لکھنوی

اٹھو اے ہند والو سر سے اونچا ہو گیا پانی ‏ ‏ کہاں تک سرد آہیں اب کہاں تک اشک افشانی
قیامت کی ہے طغیانی جو موج اٹھتی ہے طوفانی ‏ ‏ بس اب دیکھی نہیں جاتی یہ چہروں کی پریشانی

اٹھو! انگڑائی لیکر سو چکے وقت عمل آیا
فلک سے کالے بادل چھٹ گئے سورج نکل آیا

زمانے نے وہ کروٹ لی وہ دنیا کی ہوا بدلی ‏ ‏ وہ بدلا جنگ کا نقشہ وہ رخ بدلا فضا بدلی
مسولینی ہوا خاموش ہٹلر کی نوا بدلی ‏ ‏ پشیماں ہو کے جنگی دیوتاؤں نے ادا بدلی

جمود اچھا نہیں تنکر او ٹھو ابرو پہ بل ڈالو
سروں کو دشمنوں کے پاؤں سے اپنے کچل ڈالو

یہ کیا انصاف ہے خلقت خدا کی بھوکوں مرتی ہے ‏ ‏ مگر فسطائیت کی بھینس نازی گائے چرتی ہے
ہزاروں بیگناہوں کے گھروں میں آگ لگتی ہے ‏ ‏ خبر ہے غیر ملکی بھائیوں پر کیا گذرتی ہے

یہ کوئی بات بھی ہے ہند میں ہم عافیت سے ہیں
جو دُنیا خیریت سے ہو تو ہم بھی خیریت سے ہیں

ہوئی ہے یہ بلائے محوری جس ملک پر نازل — نہ خشکی ہی رہی خشکی نہ ساحل ہی رہا ساحل
سنو کمزور ملکوں کی کہانی کانپ اُٹھے دل — بھلا کر یاد ماضی کی کرو کچھ فکرِ مستقبل

یہاں پولینڈ کا افسانہ دہراتا تو کیا ہوتا
یہاں ڈنمرک کا عالم نظر آتا تو کیا ہوتا

ہمارے بھی سروں کی چاندماری ہو تو پھر کیا ہو — ہمارے بھی گھروں پر گولہ باری ہو تو پھر کیا ہو
یہاں بھی دل پہ ایک اک زخم کاری ہو تو پھر کیا ہو — یہاں بھی موت کا پروانہ جاری ہو تو پھر کیا ہو

اگر فرصت ملے رونے سے تم کو اپنی قسمت پر
بہالو بیٹھ کر چار اشک دُنیا کی مصیبت پر

ہمیں وہ یاد ہے جب بجلیاں ٹوٹی تھیں خرمن پر — غضب کی آگ برسائی گئی تھی اہلِ لندن پر
مگر اب توڑ کر کوہِ گراں دشمن کی گردن پر — پھر اطمینان سے جھولیں گے ہم شاخِ نشیمن پر

گیا وہ وقت جب مجبور تھے بے اختیاری تھی
ہماری باری اب آئی ہے کل دشمن کی باری تھی

اٹھو فسطائیت کے نقش ہستی کو مٹانا ہے — خود اپنی اتحادی قوتوں کو آزمانا ہے

جو ویراں ہو گئے ہیں ملک اُن کو پھر بسانا ہے — ہمیں دُنیا کو پھر سے رہنے کے قابل بنانا ہے

نظامِ اتنا تو ہو مضبوط جمہوری حکومت کا

نہ لے دُنیا میں کوئی نام نازی بربریت کا

سنُو ان محوری غنڈوں کی چیرہ دستیاں ہم سے — یہ سازش تھی کہ مل کر چھین لیں ہندوستاں ہم سے

مقدر مہرباں تھا اور موافق باغباں ہم سے — بھلا پھر کیا چھڑا سکتا تھا کوئی آشیاں ہم سے

نتیجے کچھ نہ نکلے جرمنی، اٹلی کی سازش کے

نہ پر پرزے ہی کچھ کام آئے جاپانی نوازش کے

کیا دُنیا کو پامالِ خزاں جن کی بہاروں نے — سکونِ زیست برہم کر دیا جن کے اشاروں نے

بہایا خون پانی کی طرح جن بدشعاروں نے — زمانے بھر کو دوزخ کر دیا جن نابکاروں نے

اٹھو اب سرزنش کا غیب سے پیغام آیا ہے

کہ پاداشِ عمل کا اُن کی اب ہنگام آیا ہے

یہ سوکھے ہونٹ کب تک تا بہ کے فریاد کا عالم — قیامت ہے تمھاری محنتِ برباد کا عالم

کہاں تم اور کہاں یہ ہٹلری بیداد کا عالم — دگرگوں ہو نہ جائے عالمِ ایجاد کا عالم

اُٹھو اب اپنے مستقبل کا بھی کچھ ذکر کرنا ہے
تمھیں تعمیرِ بعد از جنگ کی بھی فکر کرنا ہے

ربر کے کچھ کھلونے ان میں تو جاپان ہی کے ہیں
ہیں کچھ اٹلی کے بوسے چند پتلے جرمنی کے ہیں

سپرد نیستی کر دو انھیں قابل اسی کے ہیں
یہ خود سر خود غرض خود آشنا بندے خودی کے ہیں

جہنم عرصۂ ہستی کو، نامعقول کر دیتے
خدا کو بھی، جو بس چلتا تو یہ معزول کر دیتے

سراج لکھنوی

زوال مسولینی

جب جوش پہ قہرِ ذوالجلال آتا ہے
ہر ظالم و سرکش پہ وبال آتا ہے

ارباب و غرور و ناز کا دنیا میں
ہوتا ہے یہ حشر جب زوال آتا ہے

سیماب اکبرآبادی



سراج لکھنوی



سروش الکهنوي

سوویٹ روس

جناب سروش عسکری طباطبائی لکھنوی

فلک پہ قوم کا پرچم اُڑا دیا تو نے
دلوں پہ سکۂ عظمت بٹھا دیا تو نے

نظام تازہ کا پیغام باعمل دے کر
رُخِ حیات سے پردہ اٹھا دیا تو نے

بجھا کے آتشِ بغض و نفاق کا شعلہ
دلوں میں سوزِ محبت جگا دیا تو نے

وہ نسل و قوم تھی یا رنگ و مذہب و ملت
ہر افتراق و تفاوت مٹا دیا تو نے

بتانِ وہم و جہالت کو منہدم کر کے
دلوں کو مرکزِ اُلفت بنا دیا تو نے

مٹا کے نام و نشاں ظلم و چیرہ دستی کا
حقیقتوں کو فسانہ بنا دیا تو نے

بہت خضر کا بھر اروپ راہزن نے مگر
چلی وہ چال کہ رستہ بھلا دیا تو نے

دلوں کی مخفی و محفوظ و پاک خلوت میں
چراغِ غیرت قومی جلا دیا تو نے

گلاب پیکر و شبنم سرشت قوموں کو
حریفِ آہن و آتش بنا دیا تو نے

پڑا جو وقت تری کشت نو دمیدہ پر — لہو سے اپنے خراج وفا دیا تو نے
عدو نے رخ جو کیا تیرے گھاٹ کا تو اسے — اسی کی تیغ کا پانی پلا دیا تو نے

جو فن حرب کے ڈھالے تھے اسلحہ اس نے
انھیں کا اس کو نشانہ بنا دیا تو نے

سروش لکھنوی

رباعیات

جاپان کا اصلی روپ

جو منہ دکھلایا تو بد شکل یہ حسیں تھا
جواہرات میں شیشہ کا اک نگیں نکلا
تماشی ہی نہ تھا ال جاپانی
بدکا سانپ بھی اک مار آستیں نکلا

آسن لکھنوی

جاپان کا ہیرو

جب سارا جاپان بھی رسوا ہوگا
پھیکا سکا جاپان نقطہ ایک نوالا ہوگا
سب مل کے کریں گے اگر یاری
جب جاپان سے ہیرو کا قیمہ کیا ہوگا

آرج لکھنوی

خراج عقیدت

جناب سلام مچھلی شہری

سُرخ فوجوں کے جوانوں کو سلام
اور ان سُرخ نشانوں کو سلام

جو زمانے میں نمایاں ہوکر
خون کے روپ میں رقصاں ہوکر —— اونچے ہوتے ہی چلے جاتے ہیں
آج کس شان سے لہراتے ہیں
سُرخ فوجوں کے جوانوں کو سلام

ان جوانوں کو ہے جن کے بل پر
آج مزدوروں کا خونی لشکر —— اپنی اس تیسری منزل میں رواں
اور دشمن کی نظر ہے حیراں
سُرخ فوجوں کے جوانوں کو سلام

جن کی نوکیں ہیں وطن کی تعمیر
جن کے ہاتھوں میں ہے قومی شمشیر —— ایک کے بعد ہزار آتے ہیں
بن کے طوفان جو چھا جاتے ہیں
سُرخ فوجوں کے جوانوں کو سلام

جنگ نے دوسرا رُخ بدلا ہے

آج ہٹلر نے بھی یہ سمجھا ہے — موت آتی ہے تو یوں آتی ہے
زندگی اپنے سے شرماتی ہے

سرخ فوجوں کے جوانوں کو سلام

اپنے بھارت کے جوانوں کو سلام

جنگ کے گیت ابھی گانا ہے
خوں سے تلوار کو نہلانا ہے — نازیوں ہی کے خداؤں کے خلاف
ان کے ناپاک ارادوں کے خلاف

روس کے خطرۂ سنگیں کی طرح
چین کی حالت غمگیں کی طرح — آج بھارت کی بھی حالت ہے سلام
وہی خطرہ وہی صورت ہے سلام

اپنے بھارت کے جوانوں کو سلام

سرخ فوجوں کے جوانوں کی طرح
انھیں مزدوروں، کسانوں کی طرح — ہم بھی اب متحد ہو جائیں نہ کیوں
اور جاپان کو شرمائیں نہ کیوں

نازیوں سے بھی بڑا یہ دشمن
پھونک دینے پہ ہے اپنا خرمن — گنگا جمنا کے دلارو اٹھ جاؤ
اے مرے چاند ستارو اٹھ جاؤ

اپنے بھارت کے جوانوں کو سلام

سلام مچھلی شہری



سلام مچھلي شہري



سليم ناطقي كانپوري

حال و ماضی

جناب تسلیم کانپوری

میں تو کہتا تھا کہ ماضی ہو رہا ہے آشکار
تم سمجھتے تھے کہ مستقبل کا سینہ ہے فگار

میں تو کہتا تھا کہ ڈکٹیٹر ہے جرمن قوم کا
تم سمجھتے تھے کہ ہٹلر ہے خدائی فوجدار

میں تو کہتا تھا مئے پندار سے بدمست ہے
تم سمجھتے تھے کہ اپنی دُھن میں ہے دیوانہ وار

میں تو کہتا تھا کہ دشمن نوعِ انسانی کا ہے
تم سمجھتے تھے کہ ہے مخلوق کا پروردگار

میں تو کہتا تھا کہ ظلم و جبر کی بات اور ہے
تم سمجھتے تھے کہ یورپ کا ہے واحد تاجدار

میں تو کہتا تھا گرسنہ شیر ہے خونخوار ہے
تم سمجھتے تھے نحیف اقوام کا ہے غمگسار

میں تو کہتا تھا کہ نظروں سے گرے اور پھر گرے
تم سمجھتے تھے دلوں پہ ہوگا اس کا اقتدار

میں تو کہتا تھا کہ کاغذ کی کہیں چلتی ہے ناؤ
تم سمجھتے تھے کہ نازیت کا بیڑا ہوگا پار

میں تو کہتا تھا کہ جنگ روس پلٹا کھائیگی
تم سمجھتے تھے نہ ہوگا انقلاب اب بار بار

میں تو کہتا تھا شریکِ معرکہ ہوگا فرانس
تم سمجھتے تھے کہ اس قابل کہاں اب جانِ زار

میں تو کہتا تھا کریگی دل میں گھر آوازِ چین
تم سمجھتے تھے کہ مظلوموں کی کیا چیخ اور پکار

میں تو کہتا تھا کہ ہر قوت ہے اس کی بے پناہ — تم سمجھتے تھے کہ امریکہ ہے بس سرمایہ دار
میں تو کہتا تھا کہ جاپانی اچانک دھنس پڑے — تم سمجھتے تھے نظامِ ہند ہے ناپائیدار
میں تو کہتا تھا کہ ہے برطانیہ، برطانیہ — تم سمجھتے تھے ملا اب خاک میں عزّ و وقار

میں تو کہتا تھا کہ چھٹ جائیگا سب گرد و غبار
تم سمجھتے تھے کہیں رُکتے ہیں رو کے شہسوار

میں تو کہتا تھا کہ افریقہ ہے چلتی پھرتی چھاؤں — تم سمجھتے تھے کہ ریگستاں ہے مثلِ کوہسار
میں تو کہتا تھا چمن سے اب اسے کیا واسطہ — تم سمجھتے تھے کہ اٹلی کی خزاں بھی ہے بہار
میں تو کہتا تھا کہ آر۔ اے۔ ایف قیامت ڈھائینگے — تم سمجھتے تھے نہ ہوگا روم اور برلن پہ وار
میں تو کہتا تھا کہ ہیں ارض و سما ظالم پہ تنگ — تم سمجھتے تھے خدا کی رحمتیں ہیں تو بہ بار
میں تو کہتا تھا عروسِ فتح آئے گی نظر — تم سمجھتے تھے کہ ہے بے نور چشمِ انتظار
میں تو کہتا تھا گہر افشاں تبسم ریز ہے — تم سمجھتے تھے سمندر کی ہے رانی سوگوار
میں تو کہتا تھا نشاط و عیش ہوگا رات دن — تم سمجھتے تھے کہاں سے آئیں گے لیل و نہار
میں تو کہتا تھا بڑی جانباز ہے ہندی سپاہ — تم سمجھتے تھے کہ کیا ہوتے ڈویزن کا وقار

ہر قدم برطانیہ میدان مارے تو سہی
جرمنی برلن کے بیچوں بیچ ہارے تو سہی

سلیم کانپوری

سپاہی کا عزم

جناب سوز شاہجہانپوری

تڑپ اُٹھا ہے بجلی کی طرح ہر ہر نفس میرا
سمندِ تازہ دم کو میں نے سوئے رزمگہ پھیرا
بس اب میداں سے باطل کا اُکھڑنے ہی کو ہے ڈیرا
ہراول کی سنانوں نے یکایک مجھکو آ گھیرا
مگر اب کوئی طاقت روک ہی سکتی نہیں مجھکو

مرے ہاتھوں پہ دورِ بے بسی برباد ہو شاید
جوابِ تلخ سے خوش فطرت آزاد ہو شاید
لہو کی دھار ہی اب ضامنِ فریاد ہو شاید
یہ ممکن ہے مقابل دیوِ استبداد ہو شاید
مگر اب کوئی طاقت روک ہی سکتی نہیں مجھکو

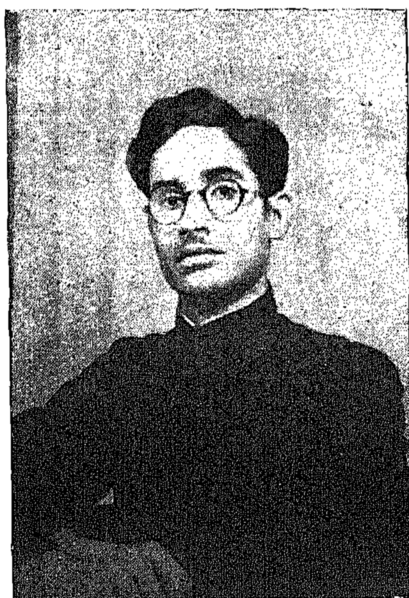
مری دنیا میں زندہ ہیں شہیدانِ وطن لاکھوں
مری تخئیل میں لرزاں ہیں خونیں پیرہن لاکھوں

مری ہمت میں پوشیدہ ہیں برباد چمن لاکھوں
سمجھتا ہوں کہ حائل ہوں گے انداز کہن لاکھوں
مگر اب کوئی طاقت روک ہی سکتی نہیں مجھکو

بھڑکنے ہی کو ہے شعلے کی صورت خرمن ہستی
لہو کی چند چھینٹوں سے بنے گا گلشن ہستی
گلِ اُمید سے بھرنا ہے اپنا دامن ہستی
ہٹائے لاکھ میدانِ عمل سے دامنِ ہستی
مگر اب کوئی طاقت روک ہی سکتی نہیں مجھکو

شکستِ سیمیا سے اب ہراساں اہل باطل ہیں
کہ خونِ گرم کے اب چند قطرے اس میں شامل ہیں
یہ بوسیدہ لبادے پھونک ہی دینے کے قابل ہیں
درندے نازیت کے گو مری راہوں میں حائل ہیں
مگر اب کوئی طاقت روک ہی سکتی نہیں مجھکو

سوز شاہجہانپوری



سرز شاہجہانپوری



سیماب اکبرآبادی

انتباہ

بدھ مندر (گیا) کی سقف بلند سے جاپان کو

حضرت سیماب اکبرآبادی

میں بدھ مندر گیا کی سقفِ کہنہ پر ہوں استادہ
طبیعت جوش پر ہے، ذہن ہے طوفان آمادہ

نظر کے سامنے ہے ہند کا ماضی و مستقبل
نگاہوں کو مری عرفانِ عہدِ حال ہے حاصل

ہوئے ہیں ہند پر ناکام کچھ حملے فضاؤں سے
ندامت کا اثر اب تک برستا ہے ہواؤں سے

نئے فتنے اُٹھانے کی یہ سعیٔ رائگاں کیا ہے
بتانا چاہتا ہوں میں اسے ہندوستاں کیا ہے

یہ گوتم کا وطن ہے کرشن کی ہے یہ جنم بھومی
یہاں شورش فزائی عقل و دانش سے ہے محرومی

یہاں ہردوار ہے پریاگ ہے اور بندرابن ہے
یہاں روحانیت بستی ہے یہ روحوں کا مسکن ہے

شوالے میں گیا کے بدھ کی سنگیں یادگاریں ہیں
یہاں ہر ذرّے میں محفوظ ماضی کی بہاریں ہیں

کپل وستو، گیا اور راج گر، کاشی، کسنی نارہ
رہے اسّی برس تک "عارفِ ہندی" کے گہوارہ

یہاں کی خاک پر برسوں پڑے ہیں پاؤں گوتم کے
ابھی موجود ہیں اس سرزمیں میں گاؤں گوتم کے

وہ گوتم بدھ، اہنساجن کا مشرب تیاگ مذہب تھا
وہ دنیا دار ہو کر سب سے پہلے تارکِ دنیا

گیا سے تبّت اور جاپان تک گونجی صدا جن کی
ابھی جاپان والوں میں پرستش ہے رواجن کی

پرانی مورتیں بدھ کی یہاں محفوظ ہیں اب تک
وقارِ رفتہ کے دھندلے نشاں محفوظ ہیں اب تک

جو پھر ہندوستاں پر تو نے کی تکلیف بمباری
تو گوتم بدھ کی ہوگی یہ حقیقت میں دل آزاری

یہ آثارِ قدیم اس ملک میں عزّت کے قابل ہیں
نقوشِ عہدِ ماضی ہیں مگر عبرت کے قابل ہیں

یہ بدھ کا مٹھ اگر ویران ہو جائے عجب کیا ہے
لڑائی کا جسے سب دیوتا کہتے ہیں اندھا ہے

کہے دیتا ہوں میں جاپان کے خورشید زادوں سے
ابھی ہے وقت باز آجائیں اپنے ان ارادوں سے

ارادے ان کے ہیں ناپاک سب کچھ جانتے ہیں ہم
انھیں برتے ہوئے ہیں ہم انھیں پہچانتے ہیں ہم

ان آثارِ جلیل و بیکراں کے پاسباں ہیں ہم
وقارِ دولتِ ہندوستاں کے پاسباں ہیں ہم

یہ دولت ہم سے کوئی چھین کر لے جا نہیں سکتا
کوئی مکر او رفن سے ہم پہ غالب آ نہیں سکتا

سرِ میداں ہم اپنا جذبۂ قومی دکھا دیں گے
لڑائی چھڑ گئی تو جان تک اپنی لڑا دیں گے

ہمارا جذبۂ بیدار جب صورت نما ہوگا
تو پھر اک ہند کیا، آزاد سارا ایشیا ہوگا

ارادوں کے بدل دینے میں اتنی دیر کیا معنی؟
ہو تم "اولادِ سورج کی" تو پھر اندھیر کیا معنی؟

یہ حرصِ ملک گیری اک بلا ہے یک لعنت ہے
گدا ہے وہ، نہیں سلطاں، جو محرومِ قناعت ہے

گرو کا دیش اگر محرومِ امن و عافیت ہوگا
گرو کی بد دعاؤں سے زوالِ سلطنت ہوگا

دلِ اُس کے بھکشوؤں کا نالہ و فریاد کرتا ہے
کوئی اپنے پیمبر کا وطن برباد کرتا ہے؟

سیماب اکبرآبادی

دیش دلارے

جناب شمیم کرہانی

او بھارت سینا کے ویرو! جیت کا جھنڈا لہرا دو
(فوج) (بہادر)

تم جنتا کے سندر سیوک، تم ہی دیش دلارے ہو

رن پربت کے اگنی "لاوا" یدھ ساگر کے دھارے ہو
(پہاڑ) (جنگ) (سمندر)

جگ ساگر کے پیارے پنکج، ہند گگن کے تارے ہو
(کنول) (آسمان)

اپنے لہو کے دیپ جلا کر، جگ میں اجالا پھیلا دو
(چراغ) (دنیا)

او بھارت سینا کے ویرو! جیت کا جھنڈا لہرا دو

بھارت ماں نے جنم دیا ہے بھارت ماں نے پالا ہے

روپ بھرے سینک جیون کے شبھ سانچے میں ڈھالا ہے

(سپاہی) (مبارک)

رگ رگ "چاہ کی گنگا جمنا" ہردے "پریم ہمالا" ہے

پریم ہمالا سے دھرتی کو امن کا درپن دکھلا دو

او بھارت سینا کے ویرو! جیت کا جھنڈا لہرا دو

دیکھو سینہ تان کے چلنا، دکھ کے ہاہاکاروں میں

گونج گرج کر آگے بڑھنا، کرودھ بھرے منجدھاروں میں

(غصّہ)

رن سے آنا دھوم مچا کر، دشمن کے سنساروں میں

سارے جگت میں بھارت کی تلوار کا لوہا منوا دو

او بھارت سینا کے ویرو! جیت کا جھنڈا لہرا دو

چندر مکھی ہوں توپ کے ٹکڑے، گیند کنول کے گولے ہو

ٹھنڈ بھری خوشبو کے جھونکے، گرم آندھی کے جھکولے ہو

آگ کے جنگی طیارے، دولھن کے شہانے ڈولے ہو

موت بھی جیون ہی بن جائے، ایسا جیون (زندگی) برسا دو

او بھارت سینا کے ویرو! جیت کا جھنڈا لہرا دو

اک دن بھاگ "جگت بیری" کا بیری سے بھر جائیگا

اک دن ظلم کا "جنگی بیڑا" طوفاں میں گھر جائے گا

اک دن ناگ کنویں کے اندر آندھی میں گر جائیگا

ست (سچ) کا بل (طاقت) خود بول اٹھے گا، فتح کا ڈنکا بجوا دو

او بھارت سینا کے ویرو! جیت کا جھنڈا لہرا دو

جیت کا جھنڈا لہرا ہی دو "رن بھومی" کی چھاتی پر
(میدانِ جنگ)

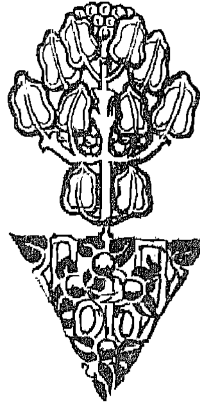
لکھ دو بسنتی شبد وجے کی ہر ڈالی ہر پاتی پر

پھول اچھالو، گجرے پھینکو، رن کے ہر سنگھاتی پر
(لڑنے والا)

گھاؤ بھری سنگرام کی دھرتی، گل بوٹوں سے لہکا دو

او بھارت سینا کے ویرو! جیت کا جھنڈا لہرا دو

شمیم کرہانی





شميم كرهاني



شوكت الكهنوي

میری تلوار

جناب شوکت تھانوی

ذرا میری تلوار مجھکو اٹھا دو

یہ پیاسی ہے میں پیاس اسکی بجھادوں
اسے ظالموں کے لہو کا مزا دوں
اسے خون کے رنگ سے جگمگا دوں
یہ تلوار ہے اس کو بجلی بنا دوں

ذرا میری تلوار مجھکو اٹھا دو

یہ اپنوں سے عہد وفا باندھتی ہے
وفا کی حقیقت کو یہ جانتی ہے
مگر دشمنوں کو بھی پہچانتی ہے
انھیں کشتنی خود یہ گردانتی ہے

ذرا میری تلوار مجھکو اٹھا دو

جو حق پر ہیں ان کے مقابل یہ کب ہے
جو ہیں حق فروش ان پہ برق غضب ہے

ہمارا تو یہ ایک سازِ طرب ہے
مگر مفسدوں سے مبارز طلب ہے

ذرا میری تلوار مجھکو اٹھا دو

جہاں آن کا نام آئے یہ چمکے
جہاں آن پر جان جائے یہ چمکے
جہاں ظلم کوئی بھی ڈھائے یہ چمکے
جہاں موت دشمن کو لائے یہ چمکے

ذرا میری تلوار مجھکو اٹھا دو

بزرگوں کی تاریخ دہرانے والی
ہماری شجاعت کے گن گانے والی
یہ نصرت کے پرچم کو لہرانے والی
یہ خود اپنا لوہا ہے منوانے والی

ذرا میری تلوار مجھکو اٹھا دو

شوکت تھانوی

قطعات

مسولینی سے خطاب

(حضرت صفی لکھنوی)

بد سے بدتر اب ہو گا — فسطائی تیرا انجام
عہدے سے معزول ہوا — اترا شحنہ مردک نام

اٹلی

کیا واسطہ ہے جنگ سے اٹلی کی قوم کو — ٹھہری یہ رزمگاہ میں کب جا کے سخت کوش
شایان رزم یہ نہیں شایان بزم ہے — رقص و سرود اسکو پسند اور نائے و نوش
پہلے جو اتحادیوں کے دوش پر تھا بار
مردہ وہ اب ہے محوریوں کے وبالِ دوش

ہندوستانی سپاہی

ہر سپاہی ہند کا یکتا ہے اپنی شان میں
آگے ہی رہتا ہے سب سے جنگ کے میدان میں

خون برسے آگ برسے کچھ اسے پروا نہیں
فرق کیا ممکن کہ آ جائے کبھی اوسان میں

سب سے کمتر خرچ اس کا سب سے بہتر اس کی جنگ
سر بکف رہتا ہے ہر دم فتح کے میدان میں

صفی لکھنوی



صفی لکھنوی



عارف لکھنوی

شعلۂ رزم

جناب عارف لکھنوی

نہ وہ کیفِ بادہ و جام ہے۔ نہ وہ لطف رامش و رنگ ہے
نہ وہ بزم رقص و سرور ہے۔ نہ وہ بربط و دف و چنگ ہے
نہ چمن ہے وہ نہ وہ دلکشی۔ نہ بہار وہ نہ وہ میکشی
نہ وہ ساحری نہ وہ زندگی۔ نہ سرور ہے نہ ترنگ ہے
وہ ہوس کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ جہانِ زیست سلگ اٹھا
دلِ اہرمن میں غضب کا جوش۔ قیامتوں کی امنگ ہے
وہ قیامِ عیشِ جہاں نہیں۔ وہ نظامِ عمرِ رواں نہیں
وہ سکوتِ امن و اماں نہیں۔ کہ زباں پہ نعرۂ جنگ ہے
اٹھو خوابِ رطلِ گراں سے اب۔ تہ خاک فتنے دبا بھی دو
رہ و رسمِ جور مٹا بھی دو۔ یہ ہوس کی آگ بجھا بھی دو
تہ آب۔ غرق خودی ہوئی۔ وہی موج تھی جو فلک نشاں
جو تمام شعلہ و برق تھی۔ وہی نازیت ہے دھواں دھواں

جو تمام عجزِ فتادگی - جو تمام داغِ شکست تھا
وہی روس شعلۂ برق ہے - وہی جبین آج شرر فشاں

چلی لاکھ بادِ سموم بھی - اُٹھے لاکھ فتنۂ غم ...... مگر
رہیں بزمِ شوق کی وسعتیں - یونہی نغمہ بار و فسانہ خواں

یہی منزلیں ہیں دوام کی - یہی ارتقا کا ہے فلسفہ
یونہی گرم رو ہے یہ زندگی - یونہی قافلہ ہے رواں دواں

اٹھو دے رہا ہے کوئی صدا - تمہیں شاہراہِ حیات سے
وہ بُلا رہا ہے کوئی تمہیں - اسی رزم گاہِ حیات سے

عارف لکھنوی

مشرق میں ہمیں معرکہ سر کرنا ہے — عزت سے زمانہ میں بسر کرنا ہے
ہندی ہیں تو ہند کی حفاظت کرلیں — دشمن کے دلوں پہ بھی اثر کرنا ہے

دلؔ شاہجہانپوری

سپاہی کی زندگی

جناب عرشی لکھنوی

سپاہی سے قائم نظام جہاں ہے — یہی ملک و ملت کا اک پاسباں ہے
یہی حافظ دورِ امن واماں ہے — اسی کا ہر اک سمت سکہ رواں ہے

زمانہ یہی دے رہا ہے گواہی
سپاہی کے قدموں میں ہے تاج شاہی

کبھی نور بن کر یہ زنداں میں پہونچا — کبھی حق کی خاطر بیاباں میں پہونچا
کبھی موج کی طرح طوفاں میں پہونچا — کبھی رنگ و بو بن کے بستاں میں پہونچا

اسی کے لہو سے بہار چمن ہے
حقیقت میں یہ شمع بزم وطن ہے

ہے کام اس کا گرتے ہوؤں کو اٹھانا — اجل کی نگاہوں سے آنکھیں لڑانا
سرِ دار بھی نغمۂ حق سنانا — زمانہ سے باطل کے فتنے مٹانا

کبھی آسماں کو یہ سر پر اٹھا لے
کبھی سینۂ بحر و بر چیر ڈالے

یہ سینے سے نوک سناں موڑتا ہے　　　یہ ہاتھوں سے بم آتشیں پھوڑتا ہے
یہ ٹھوکر سے کوہ گراں توڑتا ہے　　　شکستہ دلوں کو مگر جوڑتا ہے

لگاتا ہے یہ آگ پانی کے اندر
اجل اس کے سایہ سے چلتی ہے بچکر

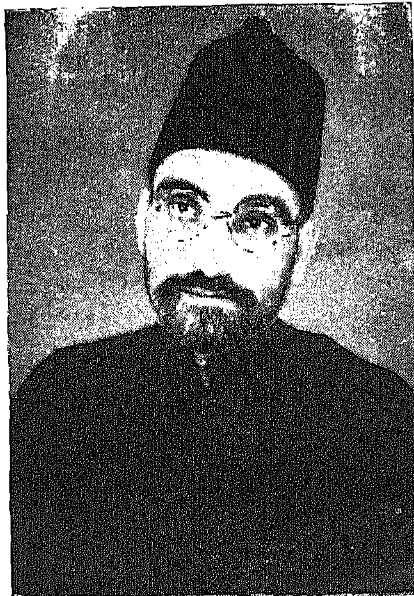
یہ بے موت مرنے کا قائل نہیں ہے　　　غم بزدلی کا یہ بسمل نہیں ہے
یہ ہے بحرِ مواج ساحل نہیں ہے　　　جہاں بیں کہاں اسکی منزل نہیں ہے

یہی ہے زمانے کا روشن ستارا
وطن اس کو پیارا وطن کا یہ پیارا

اُٹھ اے قوم خود کو سپاہی بنا دے　　　جہاں سے نشانِ ستمگر مٹا دے
وطن کے ستارے کو پھر جگمگا دے　　　پھر اب تیغ ہندی کے جوہر دکھا دے

ہر اک ظلم کا قصر برباد کر دے
غلامی سے دنیا کو آزاد کر دے

عرشی لکھنوی



عرشي لکھنوي

خموشی اب عقیل اچھی کسی تقریر کے بدلے
مری تحریر کافی ہے مری تصویر کے بدلے

عقیل

میدانِ جنگ سے ایک خط

جناب عقیل خیرآبادی

تو خود مختار اپنے ' ' کا' میں مجبور ہوں پیارے
ترا ہر عذر "عذرِ لنگ" میں معذور ہوں پیارے
سیاحت کے نشہ میں مست ہوں مخمور ہوں پیارے
یونہیں گمنام رہ جاؤں کہ اب مشہور ہوں پیارے

ادا کرتا ہوں اپنا فرض اور مسرور ہوں پیارے
محبت میں وطن کی، میں وطن سے دور ہوں پیارے

وطن کی بھولی بسری ہر کہانی یاد آتی ہے
وہ بچپن یاد آتا ہے جوانی یاد آتی ہے
وہ صبح و شام و شب، ٹھنڈی، سہانی یاد آتی ہے
یہاں ہوں اور وہاں کی زندگانی یاد آتی ہے

وطن ہے چاند اگر میں چاندنی ہوں نور ہوں پیارے
محبت میں وطن کی میں وطن سے دور ہوں پیارے

میں چپکے چپکے اکثر رات کو آنسو بہاتا ہوں
میں اپنے دل کا افسانہ خود اپنے کو سناتا ہوں
کبھی محوِ تخیل ہو کے خود کو گھر میں پاتا ہوں
ترانے دوست کے میں جنگ کے میداں میں گاتا ہوں

میں خدمت پر عقیلؔ اپنی بجا مغرور ہوں پیارے
محبت میں وطن کی میں وطن سے دور ہوں پیارے

عقیلؔ خیرآبادی

ناز و نخوت کے مدعی باقی ہیں — یعنی جاپان و جرمنی باقی ہیں
یہ بھی ہوں شکستہ تو گرے قصرِ غرور — دو پائے تپائی کے ابھی باقی ہیں

سیمابؔ اکبرآبادی

جذبۂ حُبِّ وطن

جناب فرقت کاکوروی

اے جذبۂ حُبِّ وطن!
لے چل وہاں لے چل وہاں
ایوان ہیں لرزاں جہاں
طوفان ہیں رقصاں جہاں
کب تک سنوں، کیونکر سنوں غربت کے ماروں کی فغاں
ہاں سُن چکا بس سُن چکا آفت کے ماروں کی فغاں
اچھا مری تلوار لا ـ وہ برق پا رہوار لا

اے جذبۂ حُبِّ وطن!
لے چل وہاں لے چل وہاں
ایوان ہیں لرزاں جہاں
طوفان ہیں رقصاں جہاں

میرے لئے اب ہیچ ہے امن وسکوں کی دلکشی
میداں میں چلنے کے لئے مچلی ہوئی ہے زندگی
اچھا سنبھل اُٹھتا ہوں میں جو کچھ تھا ہونا ہو چکا

اے جذبۂ حُبِّ وطن!

لے چل وہاں لے چل وہاں
ایوان ہیں لرزاں جہاں
طوفان ہیں رقصاں جہاں

ہٹلر کے جور و ظلم کی ہیں داستاں کب تک سنوں
ہوں ساری دنیا پر ستم اور میں یوں ہی دیکھا کروں
میری خموشی کا گلہ اب چار سو ہونے لگا

اے جذبۂ حُبِّ وطن!
لے چل وہاں لے چل وہاں
ایوان ہیں لرزاں جہاں
طوفان ہیں رقصاں جہاں

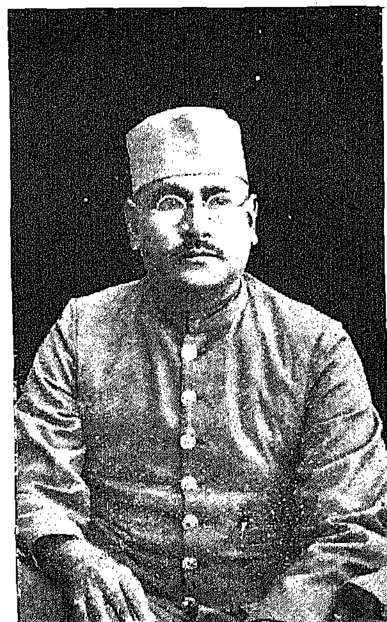
بس اب مروّت ہو چکی، اب صبر کی حد ہو چکی
تا چند یہ مجبوریاں اب جبر کی حد ہو چکی
چمکے گی اب تیغِ قضا، لپکے گا اب نیزہ مرا

اے جذبۂ حُبِّ وطن!
لے چل وہاں لے چل وہاں
ایوان ہیں لرزاں جہاں
طوفان ہیں رقصاں جہاں

فرقت کاکوروی



فرقت کاکوروي



قدیر لکھنوی

بڑھے چلو

جناب قدیر لکھنوی

دلاوران باوفا! بڑھے چلو بڑھے چلو
تمہارے ساتھ ہے خدا بڑھے چلو بڑھے چلو

خدا کا شکر، تم ہوئے ہو دشمنوں پہ کامیاب — ملا تمہیں بہادروں کا اپنے شاہ سے خطاب
مقابلہ کی لا سکے گا کس طرح سے کوئی تاب — تمہارے بُرجِ فتح کا شباب پہ ہے آفتاب

تمہارا بخت ہے رسا۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
دلاوران باوفا! بڑھے چلو بڑھے چلو

ہر اک محاذ پر بڑے غضب کی تم نے جنگ کی — اجل کی تیغ سے حیات دشمنوں پہ تنگ کی
وہ لے رہے تھے نشۂ شراب میں ترنگ کی — صدائیں ان کی محفلوں میں تھیں رباب و چنگ کی

غرور اُن کا ڈھا دیا۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
دلاوران باوفا! بڑھے چلو بڑھے چلو

تمام ارض و دہر میں تمہارا نام ہوگیا — کہ قصۂ حیات دشمناں تمام ہوگیا
ہوائے تیغ تیز کا اثر جو عام ہوگیا — سحر سے قبل ان کا گل چراغ شام ہوگیا

زمین میں سُلا دیا۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
دلاوران باوفا! بڑھے چلو بڑھے چلو

ہے لطف جبکہ غیر کا قدم بھی درمیاں نہ ہو مزا تو جب ہے دشمنوں کا نام کو نشاں نہ ہو

رہے خیال، مدتوں کی سعیٔ رائگاں نہ ہو تمہارے ساتھ میں کوئی سوائے باغباں نہ ہو

گلوں کے لب پہ ہو صدا۔ بڑھے چلو بڑھے چلو

دلاوران باوفا! بڑھے چلو بڑھے چلو

کمر کو دشمنوں کی ضرب اولیں میں توڑ دو عدو کے حلق میں تم آب تیغ کو نچوڑ دو

جو دیکھے بدنگاہ سے تو آنکھ اس کی پھوڑ دو کرے جو التجائے رحم تم سے اس کو چھوڑ دو

جفا کے ساتھ ہو وفا۔ بڑھے چلو بڑھے چلو

دلاوران باوفا! بڑھے چلو بڑھے چلو

دعا کناں تمہارے حق میں قوم ہے سماج ہے تمام اہل ہند کی تمہارے ہاتھ لاج ہے

خدا کے فضل خاص سے جو کل نہ تھا وہ آج ہے عدو کی سرزمیں پہ اب تمہارا تخت و تاج ہے

قدیر کا ہے مدعا، بڑھے چلو بڑھے چلو

دلاوران باوفا! بڑھے چلو بڑھے چلو

قدیر لکھنوی



مجنوں لکھنوی

(نظم صفحہ ۷۸ پر)



مجاز

میکش شمشیر بکف

جناب اسرار الحق مجازؔ

میکدہ چھوڑ کے میں تیری طرف آیا ہوں
سرفروشوں سے میں باندھے ہوئے صف آیا ہوں
لاکھ ہوں میکش آوارہ و آشفتہ مزاج
کم سے کم آج تو شمشیر بکف آیا ہوں

مجازؔ

مجاز صاحب کی علالت کی وجہ سے اُن کی کوئی غیر مطبوعہ نظم وقت پر نہیں مل سکی اس لئے اُن کی اجازت سے یہ قطعہ "نیا ادب" سے شکریہ کے ساتھ نقل کیا جا رہا ہے۔

مسولینی کا زوال

جناب مجنوں لکھنوی

مسولینی جتا اٹلی کی گاڑی میں گدھا ہو کر
چلی گاڑی یہ ہٹلر کے اشارے پر ہوا ہو کر

وہ ہٹلر ہاتھ میں جس کے ہے ظلم و جور کا کوڑا
وہ ہٹلر جس نے تاتیرو و چنگیز سے جوڑا

گرو جیسا تھا پیشگرد بد اختر بھی تھا ویسا
سوار بد گہر جیسا تھا یہ خچر بھی تھا ویسا

یہ گاڑی میں شریفوں کو قدم دھرنے نہ دیتا تھا
جو کوئی بیٹھنے آتا تھا اس کو کاٹ لیتا تھا

ایمینوئیل بھی مالک ہو کے اس ٹٹو سے ڈرتا تھا
سیاسی راستوں پہ بے دھڑک یہ مشق کرتا تھا

بلا اسپین میں جب انقلاب و جنگ کی آئی
یہ گاڑی اپنے فاشستوں کی فوراً لاد کر لائی

ہزاروں بے گناہوں کو کچلتی پھر حبش پہونچی
وہاں کی کشت آزادی اسی خچر نے چر ڈالی

بھلا ان سب سے انکا کھیت بچتا بھی تو کیا بچتا
وہ بیچارے نہتے اور بہت منہ زور یہ گھوڑا

دبا ہٹلر کے شور و شر کی جب سوئے فرانس آئی
یہ گاڑی باربرداری کی خاطر واں بھی حاضر تھی

ٹھنی جب جرمنی و روس میں ہنگامہ آرائی
یہ اٹلی کے لٹیروں کو بڑی تعداد میں لائی

گئی جب نارتھ افریقہ میں پہونچی کھل گئے عقدے
وہ دھکے کھائے سارے کیل کانٹے ہو گئے ڈھیلے

بہادر اتحادی حق کا ڈنڈا لے کے آ پہونچے
یہ خچر بھاگا سرپٹ اور فاتح ٹوٹ کر جھپٹے

بھگا کر اسکو لائے تھان تک مہلت دی اصلا
پکڑ کر پھر تو اس منہ زور خچر کو بہت ٹھونکا

پٹا جب یوں تو گاڑی سسلی سے اٹلی میں لے بھاگا
ہوا جو واں نتیجہ خوب واقف اس سے ہے دنیا

یہ گاڑی جب گری انصاف کے کھمبے سے ٹکرا کر
تو اس گھوڑے کو سب نے چھوڑا کانجی ہاؤس لیجا کر

ادھر تڑوائی اسنے مفت میں اٹلی کی گاڑی بھی
ادھر باندھی گئی اس کی اگاڑی بھی پچھاڑی بھی

یہی اکدن نتیجہ ہٹلر بدخو کا بھی ہوگا
گرو بھی یوں ہی مٹجائیگا جیسے مٹ گیا چیلا

مجنوں لکھنوی

نخوت کا مسولینی کی بھانڈا پھوٹا
چھوڑا جو وزارت کو تو پیچھا چھوٹا

اس حادثے کی ہند سے تا روم ہے دھوم
محور کا بڑی شان سے پہیا ٹوٹا

سیماب اکبرآبادی

نوائے وقت

جناب سید مسیح الزماں جائسی

لو جنگ کا خونیں پرچم پھر لہراتا ہے بل کھاتا ہے
جمہور کے سر پر کالے کالے بھوتوں سا منڈلاتا ہے
شیدائے وطن کی آنکھوں کو دُنیائے عدم دکھلاتا ہے

مزدور کی آزادی لینے فسطائی درندہ جھپٹا ہے
تخریب کا شعلہ برلن سے دنیا کو مٹانے اٹھا ہے
پھر امن و سکوں کی وادی میں اِک شورِ قیامت برپا ہے

کمزور کو پستے دیکھا جب برطانیہ بھی چپ رہ نہ سکا
یہ ظلم و ستم کے نظارے انسان کا دِل تھا سہ نہ سکا
دریائے تغافل کی موجوں پر اور تو آگے بہ نہ سکا

بیدار ہوا، ہشیار ہوا، کمزور کا بازو تھام لیا
رحمت کی گریزاں دیوی کا اک ہاتھ سے پلو تھام لیا
اک ہاتھ سے پلو تھام لیا، اک ہاتھ سے گیسو تھام لیا

مغرب کے حسیں کاشانوں پر وحشت کی گھٹائیں چھانے لگیں
مستانہ سرودوں کے بدلے نعروں کی صدائیں آنے لگیں
اور کتنی جانیں ہنس ہنس کر میدان میں ہر دم جانے لگیں

دنیا کی یہ حالت پہونچی ہے خوابیدہ رہیں گے ہم کبتک
متحدہ قوموں سے چھٹ کر سوچو تو جئیں گے ہم کبتک
جاپان کے ایسے کیڑوں سے اس طرح ڈریں گے ہم کبتک

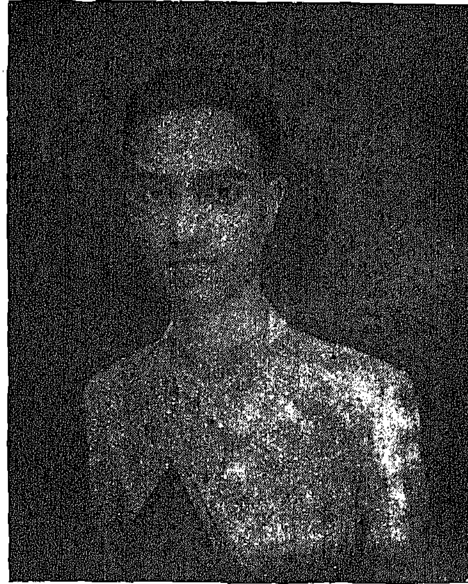
اللہ رے تغافل آؤ نا، اب جاگ اٹھو ہشیار بھی ہو
دشمن کی شکستِ پیہم سے مسرور بھی ہو سرشار بھی ہو
اے روس کے لفظی ساتھی! اب میدان میں آ بیدار بھی ہو

دل محوِ غزلخوانی ہے تو ہو، اب جنگ کی آفت سہنی ہے
گھنگرو کی صدائیں دلکش ہوں، اب موت کی بانی سننی ہے
آزادیِ دوراں کی خاطر، اب یہ قربانی کرنی ہے

پھر امن کے مل جانے پر ہنس ہنس شعر پڑھیں گے مستانہ
ہاں شعر پڑھیں گے مستانہ اور رقص کریں گے رندانہ
مل بیٹھ کے سب دیوانے، پھر آباد کریں گے میخانہ

لیکن ابھی سر پر دشمن ہے، آرام کہاں آرام کہاں،
ساقی یہاں دل کو دھڑکن ہے، صہباؤ گلابی جام کہاں،
ہاں مطربِ لالہ فام کہاں، رقاصِ سمن اندام کہاں،

مسیح الزماں جائسی



سيد مسيح الزمان جائسي



آنند نرائن ملا

امن کے سپاہی

جناب آنند نرائن مُلّا لکھنوی

ابھی فضائے جہاں میں غبار ہیں کیا کیا
مگر انھیں میں نہاں شہسوار ہیں کیا کیا

نشیبِ صلح پہ سیلاب جنگ کے آگے
قدم جمائے ہوئے کوہسار ہیں کیا کیا

ہر ایک سمت ہیں گو سنگلاخ چٹانیں
ترانہ بار مگر آبشار ہیں کیا کیا

جہادِ زیست کے تپتے ہوئے بیاباں میں
اُٹھائے سر شجرِ سایہ دار ہیں کیا کیا

کثیف چیتھڑے زخمی بدن پہ چہرہ پہ خاک
غبار و خوں کی تہوں میں نگار ہیں کیا کیا

چھپائے زخم جگر کو تبسم لب سے
محاذِ زیست پہ سینہ فگار ہیں کیا کیا

دلیر مرد فقط جنگجو صفوں میں نہیں
سپاہ امن میں بھی جاں نثار ہیں کیا کیا

گروہ معرکۂ زندگی کے میداں میں
تن اسلحہ سے سجائے ہوئے نہیں ملتے

مصافِ زیست کی خوں ریز رزم گاہوں میں
لہو میں ہاتھ رچائے ہوئے نہیں ملتے

شبِ حیات کی پُر ہول تیرگی میں بھی وہ
چراغِ روح بجھائے ہوئے نہیں ملتے

جلا کے آتش نفرت کو اپنے سینوں میں
نظر میں زہر بجھائے ہوئے نہیں ملتے

کشادہ کر کے خصومت کا ہر جنوں خانہ — دلوں پہ قفل چڑھائے ہوئے نہیں ملتے
خدائے جبر و تشدد کے آستانہ پر — سرِ نیاز جھکائے ہوئے نہیں ملتے
کہیں کہیں مترنم ہے ان کے دم سے ہوا — ابھی فضا پہ وہ چھائے ہوئے نہیں ملتے

* * *

ابھی تمام نہیں داستانِ حرص و ستم — ابھی سکندر و اسفندیار ہیں کیا کیا
نہیں ہے کام بشر آشنائے لذت مے — لہو کے گھونٹ ابھی خوشگوار ہیں کیا کیا
ابھی نظر نہیں جاتی تہِ حقیقت تک — خزاں کے دور برنگِ بہار ہیں کیا کیا
چڑھائی جاتی ہے انسانیت کی بھینٹ جنھیں — ابھی سماج کے پروردگار ہیں کیا کیا
دبا ہوا ہے خدائی کے بوجھ سے انساں — ابھی زمین پہ گردوں کے بار ہیں کیا کیا
فقط ہلاکِ اجل ہی نہیں ہے آدم زاد — ابھی حیات کے زندہ شکار ہیں کیا کیا
ابھی ہے دور بہت بامِ ارتقائے حیات — دلِ بشر کو ابھی انتظار ہیں کیا کیا*

ملّا لکھنوی

---

* پنڈت آنند نرائن مُلّا صاحب سے تازہ نظم نہیں مل سکی اس لئے اُن کی اجازت سے یہ نظم جو آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ سے براڈکاسٹ ہو چکی ہے مگر غیر مطبوعہ ہے شکریہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے۔

جاپان کی خاتون

جناب نسیم امروہوی

واہ کیا عظمت ہے اے خاتون جاپانی تری — پاؤں ہیں صنفِ قوی کے اور پیشانی تری
کس قدر توہین ہے اے روحِ نسوانی تری — ہر قدم پابندیاں ہر دم نگہبانی تری

جب کہ ممکن ہے مداوا۔ ہر جگہ۔ ہر درد کا
تو ہے جاپانی کھلونا اب بھی اپنے مرد کا

گو نہیں ہے تو گھروں کی چار دیواری میں بند — پھر بھی تو ہرگز نہیں آزادیوں سے بہرہ مند
رسم اور آئین کی دیوار ہے اتنی بلند — ٹوٹ جاتی ہے جہاں تیرے ارادوں کی کمند

حریت جیسی نجس شے اور عورت کے لئے
آہنی قانون ہیں تیری حفاظت کے لئے

نام کو آزاد ہے تو اے حسیں بلبل مگر — بڑھ نہیں سکتی حدودِ خاص سے تیری نظر
دنگ ہیں اہلِ چمن تیری اسیری دیکھ کر — ریشمی تاروں کے پھندے میں بندھے ہیں بال و پر

اللہ اللہ یہ قفس بھی کس قدر انمول ہے
آہنی ہیں تیلیاں جن پر سنہرا جھول ہے

تیری ملکہ۔ جو کہ ہے فردوسِ محکومی کی حور — ہے مسلط ہائے بیچاری پہ مردوں کا غرور
گھر سے باہر جا نہیں سکتی کہیں نزدیک دُور — بدگمانی اس قدر کرتے ہیں کب اہلِ شعور

قوم سے مطلب نہ کوئی واسطہ تنظیم سے
ظلم کی حد ہو گئی۔ محروم ہے تعلیم سے

کھیلنا ممنوع اور تفریح کو جانا محال   اک سہیلی سے جو بولنا تو بلوانا محال
دل جو گھبرائے کبھی - اس کا بھی بہلانا محال   اس فضا میں راحت و آرام ہے پانا محال

پھر گلستانِ عمل کے پھول چن سکتی نہیں
جب کہ وہ اخبار پڑھوا کر بھی سن سکتی نہیں

بزم سے مطلب نہ اس کو گلفشانی سے غرض   اک پری کو - کیا جہادِ زندگانی سے غرض
نکہتِ گل کو چمن کی پاسبانی سے غرض   صنفِ نازک کو بھلا اس سرگرانی سے غرض

علم و تحقیق و عمل زیبا نہیں اُسکے لئے
حور ہے جنت کی وہ دنیا نہیں اُسکے لئے

وہ ہماری - اسے قوم و وطن سے کام کیا   شمع خانہ کو فروغِ انجمن سے کام کیا
رونق زنجیر و زنداں کو چمن سے کام کیا   غنچہ لب کو اکتسابِ علم و فن سے کام کیا

خوشنوا طوطی کو مکتب میں بٹھاتا ہے کوئی
نازنیں گڑیا پہ ایسے ظلم ڈھاتا ہے کوئی

دیکھ کی حور! تو ہے آپ خود اپنی مثال   جہل تیرا - مادرِ گیتی کی گردن کا وبال
امر ناممکن ہے اب تیری ترقی کا خیال   حکم ہے قانون کا - اپنے کو جھنجھٹ میں نہ ڈال

رسم پارینہ سے لڑنا آج اس کا دھرم ہے
تیرے مردوں کی نظر میں وہ زنِ بیشرم ہے

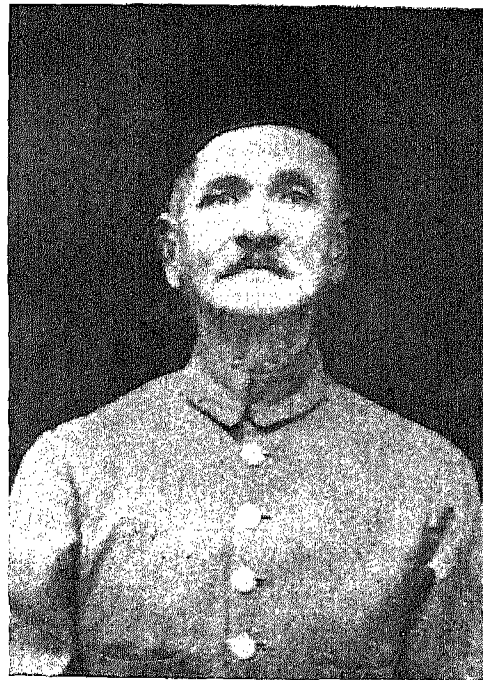
آج جب دنیا کی ساری عورتیں آزاد ہیں   یعنی خود مختار ہیں - بیدار ہیں - دلشاد ہیں
ان کی گلکاری سے دانش کے چمن آباد ہیں   ایک تو صیدِ زبوں ہے - اور سب صیاد ہیں

خار ہیں تیرے لئے - برگ و ثمر اِن کے لئے
ہر قدم ہے اک جہانِ تازہ تر اِن کے لئے

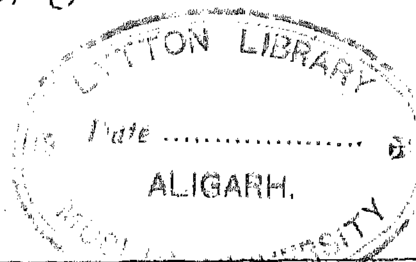
نسیم امروہوی



نسیم امروہوی



نوح نارودي



ترانۂ جنگ

حضرت نوح ناروی

مبارک سلامت کے گُن گا رہے ہیں — لڑائی میں قوت پہ اِترا رہے ہیں
گھٹا کی طرح ہر طرف چھا رہے ہیں — مزے ل رہے ہیں مزے آ رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

نرالے طریقوں سے سُتھراؤ کرنا — انوکھی اداؤں سے بننا سنورنا
مناسب محل پر نیا روپ بھرنا — پُرانے ضوابط کو ٹھکرا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

کبھی جاں نثاری کبھی جاں فشانی — حقیقت نے دیکھی صداقت نے جانی
اہم تھی بہت ملک کی پاسبانی — سروں پر سرِ راہ منڈلا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

ہواؤں کے جھگڑ، سمندر کے ریلے — زمیں کے بکھیڑے فلک کے جھمیلے
نبرد آزمائی کے آلام جھیلے — چلو بھی، چلو بھی، یہ فرما رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جارہے ہیں

نہ سنگین روکے نہ تلوار روکے　　نہ سیلاب روکے نہ یلغار روکے

نہ خندق نہ دریا نہ کہسار روکے　　خدا کی طرف سے مدد پارہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جارہے ہیں

خیالات میں جوش حد سے زیادہ　　صفوں کے اُلٹنے کا پختہ ارادہ

جواں مرد شہ زور اِک اِک پیادہ　　دم جنگ و پیکار اٹھلا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جارہے ہیں

پریشان کیوں ہوں نہ دشمن کے حامی　　پشیمان کیوں ہوں نہ ان کے سلامی

ہوئی ترش روئی ملی تلخ کامی　　جو بدخواہ تھے دل میں پچھتا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جارہے ہیں

زمانے کا نقشہ بدل دینے والے　　مظفر سپاہی، موتر رسالے

کہیں ان میں گورے کہیں ان میں کالے　　حریفوں کو ہمت سے دہلا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جارہے ہیں

غضب کی دلیری، بلا کی جسارت　　جسارت کے ہمراہ پوری شجاعت

شجاعت میں موجود طرف حکومت حکومت کے پرچم کو لہرا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

ہزیمت کو پہچانتے ہی نہیں یہ درشتی کو گردانتے ہی نہیں یہ

کوئی شکل ہو مانتے ہی نہیں یہ ستم کر رہے ہیں ستم ڈھا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

طبیعت کے مضبوط دل کے کرارے سراپا سناظر، مجسم نظارے

ہمیشہ ہی جیتے کسی سے نہ ہارے بگولے بھی صحرا میں تھرا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

ہوائی جہازوں سے بم کا ٹپکنا کوئی دم نہ توپوں کا چلنے سے تھکنا

مگر کیسا رُکنا، اُلجھنا، اٹکنا انہیں کون کہتا ہے گھبرا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

بڑھے جس سے توقیر ایسا قرینا شرافت سے مرنا نجابت سے جینا

نہا کر لہو میں بہا کر پسینا سرِ رزم گہ نام چمکا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

یہ ممکن نہیں پاؤں پیچھے ہٹائیں — یہ ممکن نہیں پیٹھ پھر کر دکھائیں
یہ ممکن نہیں خوف سے ہچکچائیں — محالات کو کام میں لا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

زر و مال کا سخت نقصان ہوگا — نہ اٹلی نہ جرمن نہ جاپان ہوگا
بپا کوئی ساعت میں طوفان ہوگا — کہ پھر نوح کو لوگ بلوا رہے ہیں

ہمارے بہادر بڑھے جا رہے ہیں

نوح ناروی

